مقالات

حصن المسلم

جلد چہارم

مؤلف
ندیم ایاز

مکتبہ دار الرحیل

کتاب: حصن المسلم کے مقالات جلد چہارم

مولف: ندیم ایاز

سال اشاعت: 2021

قیمت: 200 روپیہ

فہرست

(1)نظام اشتراکیت باطل کیوں؟ 3
(2) حدیثِ نجد کے مصداق کون؟ 11
(3) شراب تمام جرائم کی جڑ مگر!! 21
(4) ٹریفک قوانین کی پاسداری شرعی اصولوں کی روشنی میں 31
(5) اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں الحاد اور اس کی صورتیں 47
(6) جادو جنات سے بچیں 54
(7) دینِ اسلام میں تفریح کا تصور - 83
(8) دنیا میں عذابِ الٰہی کی صورتیں.. 115
(9) کفار سے مشابہت... 125
(10) حدیث کی صحت و ضعف میں اختلاف اور اس کے اسباب 145
(11) مدینہ طیبہ ومسجد نبوی ﷺ کے فضائل واحکام فضائل مدینہ طیبہ! 159
(12) امام مہدی حقیقت کیاہے؟ 170
(13) کچھ ایسا کیجیئے کہ اللہ مسکرادے! 186

(1)نظام اشتراکیت باطل کیوں؟

اسلام دینِ عدل ہے اور ہر معاملے میں عدل وانصاف کا حامی ہے اللہ رب العالمین نے ہر معاملے میں ہماری بہترین رہنمائی فرمائی اور کسی بھی معاملے میں ایسا نہیں کہ ہمیں اسلامی نظریۂ حیات اور شرعی دستورِ زندگی کو چھوڑ کر غیروں کی طرف دیکھنا پڑے۔مثلاًاہم تجارت کے معاملات کو ہی دیکھ لیں،دیگر امور کی طرح شریعتِ مطہرہ نے اس معاملے میں بھی ہماری مکمل رہنمائی کی ہے،محدثین نے کتب حدیث، فقہاء نے فقہی ذخیروں میں احکام معیشت وتجارت کے متعلق ہر مسئلے پر سیر حاصل بحث کی ہے،اتنی جامع ومانع بحث کے بعد کہیں اور سے نظریۂ تجارت ومعیشت کشید کرنے کی ضرورت نہیں مگر:

؎غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

کے مصداق کچھ احباب سرمایہ دارانہ نظام کا عذر لنگ تراش کر اشتراکیت کے دلدادہ ہو کر یہ نعرہ مستانہ لگاتے ہیں کہ ہمارے غموں کا علاج اور دکھوں کا مداوا اسی نظام باطل میں ہے۔

بہانہ یہ ہے کہ سب کو مساوی تقسیم کرکے معاشرے سے غربت ختم کی جائے گی مگر جب اس کھوکھلے نعرے اور مغرب سے مرعوب ہو کر چھوڑے گئے شوشے کو گہرائی میں جا کر دیکھا جاتا ہے تو زبانِ بے اختیار سے بے ساختہ نکل جاتا ہے کہ:غربت تو ختم نہیں ہوگی مگر اس سے ساری قوم ہی غریب ہو جائے گی۔

زیر نظر مضمون میں عالم عرب کی ممتاز شخصیت علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کی لاجواب تصنیف

الأدلةُعلى بُطلان الإشتراكية

سے چند مباحث کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ جن کے مطالعے کے بعد خوانندگانِ محترم پر اس باطل نظام کی حقیقت واضح ہو گی اور قارئین کرام اس نظام کی خرابیوں کو سمجھ لیں گے۔ ان شاء اللہ

(1) نظامِ اشتراکیت کا وجود نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مسعود میں تھا اور نہ ہی خلفاء راشدین کے زمانے میں اور نہ ہی ان کے بعد حکومت اسلامیہ میں اس کا تصور پایا جاتا تھا، اس کے بعد تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے خلفائے راشدین، نیز ان کے بعد ائمہ مسلمین حق پر ہیں یا نظام اشتراکیت کے یہ دلدادہ حضرات، اور دوسرا خیال تو ہے ہی باطل کیونکہ اس کے اعتراف سے یہ کہنا پڑیگا کہ (معاذاللہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے خلفاء راشدین نیز ان کے بعد ائمہ مسلمین گمراہی پر تھے اور انہوں نے اپنی رعایا پہ ظلم و ستم کئے حتیٰ کہ احبابِ اشتراکیت نے تیرہ سو سال بعد ۔۔۔لوگوں کی صحیح راہ کی طرف رہنمائی کی اور ایسی راہ جس کا نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ تھا، نہ ہی آپ کے خلفائے راشدین کو اور نہ ان کے بعد ائمہ مسلمین کو۔

(2) فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: "بلاشبہ میں ایک انسان ہوں، تم میرے پاس اپنے جھگڑے لاتے ہو، ممکن ہے تم میں سے بعض اپنے مقدمہ کو پیش کرنے میں فریق ثانی کے مقابلہ میں زیادہ چرب زبان ہوں اور میں تمہاری بات سن کر فیصلہ کر دوں تو جس شخص کے لیے میں اس کے بھائی (فریق مخالف) کا کوئی حق دلادوں اسے چاہئے کہ وہ اسے نہ لے کیونکہ یہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے جو میں اسے دیتا ہوں۔]1[

اس حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ عوام الناس کے لئے یہ قطعی طور پر جائز نہیں ہے کہ اس بنیاد پہ کسی کے مال پہ قبضہ کریں کہ

حکومت نے انہیں اس کی اجازت دی ہے۔ بلکہ عوام کو چاہئے کہ ایسے ہر فیصلے کا بائیکاٹ کریں، اللہ سے ڈریں اور ان کے دل میں اللہ تعالی کے بنائے ہوئے قوانین کی اہمیت لوگوں کے بنائے ہوئے ہر قانون سے زیادہ ہو۔

(3)نظام اشتراکیت اللہ تعالی کے نظام قضاء و قدر اور اس کی حکمتوں کے برخلاف ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے اپنی حکمت و رحمت اور جانے کن کن عظیم اسرار و رموز کے تحت یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ اپنے بندوں کے مابین رزق کو تقسیم کرے اور بعض کو بعض پر فوقیت عطا فرمائے۔(ان حکمتوں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں۔)

ا: صاحب مال کو جب اللہ کی نعمتوں کا احساس ہوگا تو وہ اللہ کا شکر ادا کرے گا، اور تنگدست، فقر و فاقہ کو اللہ کی طرف سے آزمائش سمجھتے ہوئے صبر کرے گا۔

ب: اللہ رب العالمین کی ربوبیت تامہ کا اظہار، کہ زمین و آسمان کے خزانے اور تمام امور کی باگ ڈور اللہ رب العالمین کے دست مبارک میں ہے۔

﴿يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾

الشوریٰ:12

’’جس کی چاہے روزی کشادہ کردے اور تنگ کردے، یقیناً وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے‘‘۔

ج: ایسی عبادات کی ادائیگی جو صرف امیر اور فقیر کی موجودگی ہی میں ادا کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً: زکوۃ و صدقات نیز کفارات اور نفقات وغیرہ۔

(4) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن مبعوث کرتے ہوئے فرمایا تھا ’’تم انہیں اس کلمے کی گواہی کی دعوت دینا کہ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔اگر وہ یہ بات مان لیں تو پھر انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر روزانہ پانچ وقت کی نمازیں فرض کیں ہیں۔اگر وہ لوگ یہ بات بھی مان لیں تو پھر انہیں بتانا کہ اللہ نے ان کے مال پر کچھ صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے مالداروں سے لیکر انہی کے محتاجوں میں لوٹا دیا جائے گا۔]2[

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طبقات کا اثبات فرمایا ہے،امیر اور غریب ، لیکن ارباب اشتراکیت اس کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مالی معاملات میں صرف ایک طبقہ ہی ہونا چاہئے،یعنی سارے لوگ ہی فقیر و لاغر ہو کر ذلت کی زندگی بسر کریں۔جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ایسی کوئی نصیحت نہیں فرمائی۔۔۔اور معاذ کو صرف اتنا ہی بتایا کہ زکوۃ ان کے امراء سے لیکر ان کے فقراء میں تقسیم کر دی جائیگی اور یہی حق ہے جو مال میں واجب ہوگا۔اور اگر فقراء کو اغنیاء کے مال میں شریک کرنا واجب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم معاذ رضی اللہ عنہ کو ضرور بیان کرتے کیونکہ

لا یجوز تاخیر البیان عن وقت الحاجة

یہ ایک اصول فقہ کا قاعدہ ہے جس سے مراد " بوقت ضرورت شرعی حکم کو موخر کرنا جائز نہیں ہوتا' '

(5) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

' 'اگر وہ تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو ان کے عمدہ اموال (بطور زکوۃ لینے سے)پرہیز کرنا،اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا،کیونکہ اس کی بد دعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا"۔]3[

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے ڈرایا کہ بطور زکوۃ عمدہ اموال لئے جائیں اور یہ فرما کر کہ "مظلوم کی بد دعا سے بچو" اس بات کی طرف رہنمائی فرمائی کہ یہ ظلم ہے، غور طلب بات یہ ہے کہ جب اموالِ زکوٰۃ میں سے عمدہ ترین مال لینا ظلم ہے تو زیادہ لینا ظلم کیوں نہ ٹھرا؟ اس طرح بغیر کسی شرعی عذر کے لوگوں کا سارا مال ہی چھین لینا ظلم کیوں نہ ہوگا؟ مگر اہل اشتراکیت اسے ظلم نہیں سمجھتے کیونکہ ان کے خیال میں تو لوگوں کے مابین معاشی کمی بیشی ظلم ہے (والعیاذ باللہ) جو کہ اللہ رب العالمین کے ارادہ شرعیہ اور احکام تقدیر پر مبنی ہے۔

(6) نظام اشتراکیت میں انسان کا اللہ تعالی پہ توکل کمزور بلکہ معدوم ہو جاتا ہے کیونکہ جب تنگدست آدمی ایسے معاشرہ میں زندگی بسر کرے گا جہاں نظام اشتراکیت نہیں ہوگا تو ہمیشہ اللہ تعالی پہ توکل کرتے ہوئے اس سے رزق مانگے گا اور اس کی امیدوں کا محور و مرکز رب کریم کی ذات ہوگی اور جو ایسے معاشرہ میں زندگی بسر کرتا ہوگا جو نظام اشتراکیت میں آلودہ ہوگا ، اس کی امیدوں کا محور و مرکز لوگ ہوں گے وہ لوگوں پہ بھروسہ کرتے ہوئے انہی سے مانگے گا، اور یہی اصحاب اشتراکیت چاہتے ہیں وہ تو چاہتے ہی ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں امید و بیم کی سی کیفیت پیدا کر کے ان پر راج کریں، آپ دیکھیں گے کہ وہ کس طرح لوگوں کو اپنی تقدیس و تعظیم کی طرف دعوت دیتے ہیں ، اس کیلئے وہ باقاعدہ مہم سازی کرتے ہیں، حتی کہ وہ اپنے لیڈروں کی تصاویر ہر جگہ پر آویزاں بھی کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کی تصاویر سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے بلکہ بازاروں اور عبادت گاہوں میں بھی آویزاں کریں۔

(7) ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فقراء، امراء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہونگے۔ [4]"

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طبقات کا اثبات فرمایا ہے(1)طبقہ فقراء(2)گروہ امراء۔

نیز ان دونوں کے متعلق دو مختلف احکامات صادر فرمائے کہ ایک جنت میں پہلے داخل ہوگا اور دوسرا قدرے تاخیر سے۔

(8)ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:"اک زمانہ مجھ پہ ایسا بھی تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور عائشہ رضی اللہ عنھا کے حجرہ کے درمیان بے ہوش ہو کر گر پڑتا تھا اور گزرنے والا میری گردن پر یہ سمجھ کر پاؤں رکھتا تھا کہ میں پاگل ہو گیا ہوں، حالانکہ مجھے جنون نہیں ہوتا تھا ،بلکہ صرف بھوک کی وجہ سے میری یہ حالت ہو جاتی تھی"۔]5[

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا حال عبد الرحمن بن عوف، عثمان بن عفان جیسے (مالدار)صحابہ رضی اللہ عنھم سے کس قدر مختلف تھا؟ کیا اللہ کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات کا پتہ نہیں تھا کہ صحابہ کرام کے مابین کس قدر فرق مراتب موجود ہے؟ آپ کو پتہ تھا مگر آپ قطعی طور پر یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ارباب اشتراکیت کی طرح دوسروں کے حقوق غصب کریں۔

Iابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :"جو کوئی لوگوں کا مال قرض کے طور پر ادا کرنے کی نیت سے لیتا ہے تو اللہ تعالی اس کی طرف سے ادا کرے گا اور جو کوئی نہ دینے کے لئے لے تو اللہ اس کو تباہ کر دے گا"۔]6[

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اصحاب اشتراکیت لوگوں کے مال اسی نیت سے لیتے ہیں کہ واپس نہیں کریں گے اور ان کا ارادہ اتلاف مال کا ہوتا ہے، تو پھر مذکورہ حدیث میں لوگوں کے مال زبردستی لینے کی صریح حرمت موجود ہے۔

(9)فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:"اس وقت تک کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کیلئے وہ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے"۔[7]

ہم ان اشتراکیت زدہ احباب سے کہتے ہیں کہ: ہمیں معلوم ہے کہ تم اپنے مالدار بھائیوں سے ان کے مال چھین کر محبت کا اظہار نہیں کرتے بلکہ تم ان سے اس بنیاد پر حسد کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے نوازا ہے۔(ذرا بتاؤ) آگر تم مالدار ہوتے تو کیا تم یہ چاہتے کہ کوئی تمہارا مال غصب کرے یا پھر اس میں تمہارا شریک ہو؟ بلکہ ہم نے تو مشاہدہ کیا ہے کہ تم قطعی طور پر یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہاری حکومت میں کوئی شریک ہو یا ایسی بات کہے جو تمہیں ناگوار ہو۔

اگر کوئی کچھ کہے بھی تو تم تمام اسباب ووسائل کو بروئے کار لاکر اس کو نشانہ عبرت بنادیتے ہو۔

) یہ وہ ابطالِ اشتراکیت کے دس دلائل ہیں جو ہر صاحب عقل شعور کو اپیل کرتی ہیں کہ معاشرے کیلئے بہتر وہی ہے جس کو رب اللعالمین نے بہتر قرار دیا اور جس نظام معاشرت ومعیشت پر شریعت کی مہر نہیں وہ نظام انسانیت کا دشمن ہے کیونکہ:

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

[1]صحیح بخاری: کتاب المظالم والغضب، باب اثم من خاصم فی باطل وهو یعلمه، صحیح مسلم: كتاب الأقضية، باب الكلم بالظاهر واللحن بالحجة

[2]صحیح بخاری: کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ،مسلم: کتاب الایمان، باب الدعا الی الشهادتین وشرائع الاسلام

[3]جامع ترمذی: کتاب الزکوۃ، باب ما جاء في كراهية أخذ خيار المال في الصدقة، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(امام ترمذی)

[4]جامع ترمذی: کتاب الزهد، باب ما جاء أن فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل أغنيائهم، یہ حدیث حسن ہے۔(ترمذی)

[5]صحيح بخاری : كتاب الاعتصام بالسنة، باب ما ذكر النبی صلى الله عليه وسلم وحض على اتفاق أهل العلم.

[6]صحيح بخاری: كتاب في الاستقراض وأداء الديون . . .، باب من أخذ أموال الناس يريد أداءها أو إتلافها

[7]صحيح بخاری: كتاب الايمان، باب من الايمان ان يحب لاخيه ما يحب لنفسه

(2) حدیثِ نجد کے مصداق کون؟

تاریخ انسانیت میں ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ سے بڑھ کر کوئی سچا، امین، نیک وصالح، افضل واعلیٰ، رحیم وکریم نہیں آیا ہے اور آپ ﷺ کا مقام ومرتبہ بھی بعثت سے قبل مشرکین مکہ کے ہاں بلند وبالا تھا ہر دلعزیز تھے امین اور صادق کے نام سے پکارا جاتا تھا لیکن جب آپ ﷺ نے لوگوں کو توحید کی طرف دعوت اور شرک سے لوگوں کو بچانے کا مقدس فریضہ ادا کرنا شروع کیا تو اکثر مشرکین مکہ آپ ﷺ کے دشمن بن گئے اور آپ ﷺ کو طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کردیں اور والعیاذ باللہ انتہائی برے القاب (پاگل، کاہن وغیرہ) سے پکارے گئے یہاں تک کہ مشرکین نے آپ ﷺ کے قتل کے ناپاک اور مذموم عزائم اور ارادے کیئے تھے جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو مکہ جیسا افضل ترین شہر چھوڑنا پڑا۔ اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل وکرم اور توفیق ومدد سے آپ ﷺ کو اپنے مشن میں کامیابی عطا فرمائی اور کفر وشرک کی ظلمات میں ڈوبی ہوئی ملت کو توحید اور اسلام کے نور سے منور فرمایا۔

پھر اس طرح وقت گزرتا گیا اور رفتہ رفتہ جزیرۂ عرب سمیت دنیا کا اکثر حصہ دوبارہ شرک کی دلدل میں پھنستا گیا، جہالت کا اندھیرا پھیلتا گیا اور لوگوں نے شرک وبدعت اور ضلالت وگمراہی کو عین اسلام سمجھنا شروع کردیا اتنے میں اللہ تعالیٰ نے تجدید دین حق کیلئے ایک مجدد کو جزیرۂ عرب کے عینیہ نامی گاؤں سے پیدا فرمایا جن کا نام نامی محمد رکھا گیا انہوں نے اپنے نام کی لاج رکھی اور اس جزیرہ نمائے عرب میں جلوہ آرا ہونے والے اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی سچی پیروی اوراتباع کی اور لوگوں کو جہالت اور شرک کی دلدل سے نکالنے کیلئے

انتھک کوشش کی اللہ تعالیٰ نے بڑا کرم فرمایا اور وہ اپنے عزم مصمم میں کامیاب ہوئے۔

آپ رحمہ اللہ نے قرآن وسنت کے دلائل کے ذریعے شرک وبدعات کا پردہ چاک کیا اور حقیقی دینی تعلیمات واضح کر دیں اور اصلاحی کتابیں لکھیں جن کی روشنی میں دین حق کی اصل تعلیمات اجاگر ہو کر سامنے آئیں اور شرک وبدعت کے غبارے سے ہوا نکلتی چلی گئی، اللہ تعالیٰ نے آپ رحمہ اللہ کو اپنی اس بابرکت دعوت وجہاد کی بدولت ہر میدان میں فتح عطا فرمائی اور آپ رحمہ اللہ کی بابرکت دعوت کی روشنی وخوشبو کرۂ ارض پر بڑی تیزی سے پھیلتی گئی تو یہ صورت حال دیکھ کر بہت سے حلقے چونک پڑے۔

انہیں اپنے مفادات خطرے میں نظر آنے لگے خصوصاً شرک وبدعات کے ٹھیکیداروں اور توحید کے دشمنوں کی نیندیں حرام ہو گئی اور ساتھ ساتھ دیگر عالم کفر کی سامراجی طاقتیں بھی خوفزدہ ہو گئیں یہاں تک کہ کافروں، مشرکوں اور توحید کے دشمنوں نے اپنے مذموم وباطل عقائد کی بقاء کے لیے مجدد اسلام شیخ الاسلام امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ پر الزامات اور اتہامات کی بارشیں شروع کر دی اور نبی کریم ﷺ کی بابرکت احادیث کی غلط تشریح وتأویل کرنا شروع کر دی ابھی تک اس غلط مفہوم وغلط تشریح کو اخبارات، تالیفات اور میڈیا کے ذریعے عام مسلمانوں کے صحیح عقیدے کو بگاڑنے میں ناکام اور لاحاصل ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں ان الزامات میں سے سب سے بڑا الزام نبی ﷺ کی حدیث نجد ہے جس کو آپ رحمہ اللہ کی دعوت پر محمول کرنے کی مجرمانہ کوشش کی۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا، اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي يَمَنِنَا» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَفِي نَجْدِنَا؟ قَالَ: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا، اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي يَمَنِنَا» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَفِي نَجْدِنَا؟ فَأَظُنُّهُ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: «هُنَاكَ الزَّلاَزِلُ وَالفِتَنُ، وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: یا اللہ ہمارے شام میں برکت عطا فرمایا اللہ ہمارے لیے ہمارے یمن میں برکت عطا فرما لوگوں نے کہا اور ہمارے نجد میں آپ ﷺ نے فرمایا: "یا اللہ ہمارے شام میں برکت عطا فرمایا اللہ ہمارے یمن میں برکت عطا فرما لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اور ہمارے نجد میں میرا خیال ہے کہ شاید آپ ﷺ نے تیسری بار فرمایا کہ یہاں زلزلے ہوں گے اور فتنے ہوں اور وہیں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔(رواہ احمد، بخاری، ترمذی)

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے بہت سے جاہلوں اور علماء سوء نے لوگوں کو باور کرانے کی کوشش کی کہ اس نجد سے مراد وہ نجد ہے جہاں شیخ الاسلام مجدد امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ پیدا ہوئے ان الزامات کے ذریعے دشمنوں نے سچ سے عاری دعوے کو بے بنیاد پروپیگنڈے کے ذریعے درست ثابت کرنے کی کوشش کی جو کہ بری طرح تمام میدانوں خصوصاً علمی میدان میں ناکام ہوئے اور علماء اہل السنۃ والجماعۃ نے ان اہل باطل اور علماء سوء پر ایسی علمی ضرب کاری لگائی کہ وہ مبہوت ہو کر رہ گئے۔ وللہ الحمد والمنۃ

اب میں آپ قارئین کرام کے سامنے علماء سوء اور دشمنان توحید کے اس بے بنیاد الزام اور شبہ کو احادیث رسول ﷺ اور علماء حق علماء اھل السنۃ والجماعۃ کے اقوال کی روشنی میں رد کرنا چاہتا ہوں یاد رکھیں کہ کتاب اللہ یا رسول اللہ ﷺ کی حدیث پاک کی تشریح میں اختلاف ہو جائے تو اس اختلاف کے حل کیلئے قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرنا لازمی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ

النساء–59

”اگر تم آپس میں کسی چیز کے بارے میں اختلاف کریں تو اس کو حل کرنے کے لیے اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف لوٹا دو۔“

اب ہم دلائل کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ مذکورہ حدیث میں نجد سے مراد نجد عراق ہے یا نجد حجاز؟

حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، يَقُولُ: يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ مَا أَسْأَلَكُمْ عَنِ الصَّغِيرَةِ، وَأَرْكَبَكُمْ لِلْكَبِيرَةِ! سَمِعْتُ أَبِي عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنَّ الْفِتْنَةَ تَجِيءُ مِنْ هَاهُنَا» وَأَوْمَأَ بِيَدِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ «مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنَا الشَّيْطَانِ» وَأَنْتُمْ يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ

ابن فضیل سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں ان کے باپ کہتے ہیں کہ میں نے سالم بن عبد اللہ سے کہتے ہوئے سنا ہے۔ اے عراق والو! تمہارا کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتے ہوئے صغیرہ گناہ کے بارے میں سوال کرنا کتنا ہی تعجب خیز بات ہے میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا ہے یقیناً فتنہ یہاں سے آئے گا اور آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ فرمایا جہاں سے شیطان کے دونوں سینگ طلوع ہونگے اور تم لوگ بعض بعض کی گردنیں اڑا دو گے۔(کتاب الفتن، باب الفتنۃ من المشرق من حیث یطلع قرنا الشیطان، حدیث نمبر:7297)

۲۔عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُشِيرُ بِيَدِهِ يَؤُمُّ الْعِرَاقَ: «هَا، إِنَّ الْفِتْنَةَ هَاهُنَا، هَا، إِنَّ الْفِتْنَةَ هَاهُنَا، -ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ«

شیخ البانی نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے دیکھیے فضائل الشام ودمشق، ص:24(مسند احمد:6302)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: دَعَا نَبِيُّ اللهِ –صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ– فَقَالَ: “اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَمُدِّنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي مَكَّتِنَا وَمَدِينَتِنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا وَيَمَنِنَا“، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: يَا نَبِيَّ اللهِ، وَعِرَاقِنَا؟ فَقَالَ: ”إِنَّ بِهَا قَرْنَ الشَّيْطَانِ، وَتَهَيُّجَ الْفِتَنِ، وَإِنَّ الْجَفَاءَ بِالْمَشْرِقِ.

قال الهيثمی فی المجمع، رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

یعنی سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا اللہ کے رسول ﷺ نے دعا فرمائی اے اللہ ہمارے لیے برکت عطا فرما ہمارے صاع اور مد میں (صاع اور مد دونوں ناپ کی چیز ہے) برکت عطا فرما اور ہمارے لیے ہمارے شام اور یمن میں برکت عطا فرما تو قوم میں سے ایک شخص نے کہا اے اللہ کے نبی ہمارے عراق کے لیے بھی برکت کی دعا فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہاں (عراق) میں شیطان کا سنگ ہے اور فتنہ بھڑک اٹھے گا اور مشرق والوں میں سنگ دلی ہے۔

۴۔عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ دَعَا فَقَالَ: اللّٰهمّ بَارِكْ لَنَا فِي مَكَّتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي مَدِينَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي يَمَنِنَا، اللّٰهمّ بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي مُدِّنَا. فَقَالَ الرَّجُلُ: وَفِي عِرَاقِنَا. فَأَعْرَضَ عَنْهُ، فَرَدَّدَ هَذَا ثَلَاثًا كُلُّ ذَلِكَ يَقُولُ الرَّجُلُ وَفِي عِرَاقِنَا فَيُعْرِضُ عَنْهُ، فَقَالَ: بِهَا الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَمِنْهَا يَطْلُعُ قرن الشيطان

سالم بن عبد اللہ سے روایت ہے وہ اپنے والد عبد اللہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے دعا فرمائی: اے اللہ ہمارے لیے ہمارے مکہ میں برکت عطا فرما اور ہمارے لیے ہمارے مدینہ میں برکت عطا فرما اور ہمارے لیے ہمارے شام میں برکت عطا فرما اور ہمارے لیے ہمارے یمن میں برکت عطا فرما اور ہمارے لیے ہمارے صاع میں برکت عطا فرما اور ہمارے لیے ہمارے مُد میں برکت عطا فرما تو ایک شخص نے کہا ہمارے عراق میں برکت عطا فرما تو آپ ﷺ نے اس سے منہ پھیر لیا اور آپ ﷺ نے تین بار مکہ، مدینہ، شام، یمن، صاع، اور مُد میں برکت کی دعا کی اور ہر بار اس آدمی نے اپنے عراق کے لیے برکت کی دعا کا مطالبہ کیا اور ہر بار آپ ﷺ نے اس سے منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ وہاں (عراق میں) زلزلے اور فتنے ہونگے اور وہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا"۔(دیکھیے: المعرفۃ والتاریخ للإمام یعقوب بن سفیان الفسوی 2/746۔ ابو نعیم الاصفہانی فی الحلیۃ 6/133)

اہل علم کے اقوال کہ نجد سے مراد نجد عراق ہی ہے۔

۱۔امام ابن حجر رحمہ اللہ نے امام خطابی رحمہ اللہ متوفی(388ھ)کا قول نقل کیا ہے۔

نَجْدٌمِنْ جِهَةِ الْمَشْرِقِ وَمَنْ كَانَ بِالْمَدِينَةِ كَانَ نَجْدُهُ بَادِيَةَ الْعِرَاقِ وَنَوَاحِيهَا وَهِيَ مَشْرِقُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ

یعنی نجد مدینہ منورہ کے مشرق کی جانب واقع ہے اور اہل مدینہ کا نجد سے مراد عراق کے دیہات اور اس کے اطراف ہیں اور عراق مدینہ کے مشرق میں واقع ہے۔(فتح الباري 13/47-عمدة القاري للعيني 24/200)

۲۔امام ابن حجر نبی ﷺ کی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رَأْسُ الْكُفْرِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ فِي رِوَايَةِ الْكُشْمِيهَنِيِّ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَهُوَ بِكَسْرِ الْقَافِ وَفَتْحِ الْمُوَحَّدَةِ أَيْ مِنْ جِهَتِهِ وَفِي ذَلِكَ إِشَارَةٌ إِلَى شِدَّةِ كُفْرِ الْمَجُوسِ لِأَنَّ مَمْلَكَةَ الْفُرْسِ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ مِنَ الْعَرَبِ كَانَتْ مِنْ جِهَةِ الْمَشْرِقِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْمَدِينَةِ

یعنی کفر کا سر اور اصل مشرق کی طرف ہے اس حدیث مبارکہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مجوسیت کا کفر سخت ترین کفر ہے کیونکہ فارس کی مملکت اور وہ عرب جنہوں نے فارس کی اطاعت کی وہ مدینہ منورہ کے حساب سے مشرق میں ہے۔(فتح الباري)

۳۔امام ابن حجر امام کرمانی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَمَنْ كَانَ بِالْمَدِينَةِ كَانَ نَجْدُهُ بَادِيَةَ الْعِرَاقِ وَهِيَ مَشْرِقُ أَهْلِهَا

یعنی اہل مدینہ کا نجد عراق کے دیہات ہیں اور وہ مدینہ منورہ کے مشرقی جانب ہے۔(فتح الباري 13/47)

۴۔شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بعض المبتدعة المحاربين للسنة والمنحرفين عن التوحيد يطعنون في الإمام محمد بن عبد الوهاب مجدد دعوة التوحيد في الجزيرة العربية، ويحملون الحديث عليه باعتباره من بلاد (نجد) المعروفة اليوم بهذا الاسم، وجهلوا أو تجاهلوا أنها ليست هي المقصودة بهذا الحديث، وإنما هي (العراق)

كما دل عليه أكثر طرق الحديث، وبذلك قال العلماء قديما كالإمام الخطابي وابن حجر العسقلاني وغيرهم

یعنی بعض بدعتی اور سنت کے مخالف اور توحید سے دور لوگ (یعنی توحید کے دشمن لوگ) شیخ الاسلام مجدد دعوت توحید امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ پر طعن وتشنیع کرتے ہیں اور وہ حدیث (جس میں نجد کی مذمت آئی ہے) کو امام محمد پر اس اعتبار سے لاگو کرتے ہیں کیونکہ آپ آج کل کے اسی نام کے معروف نجد سے تعلق رکھتے ہیں یہ لوگ یا حدیث کے صحیح مفہوم سے جاہل ہیں یا تجاہل عارفانہ کیے ہوئے ہیں، حالانکہ حدیث میں لفظ نجد سے مراد نجد ریاض نہیں بلکہ لفظ نجد سے مراد صرف اور صرف عراق مقصود ہے جس پر بہت احادیث کے طرق دلالت کرتے ہیں اور یہی قول پرانے علماء کا ہے جیسا کہ امام خطابی اور امام ابن حجر العسقلانی رحمہما اللہ وغیرہم کا موقف ہے۔(سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ 5/305)

مذکورہ احادیث صحیحہ اور صریحہ اور اقوال علماء ومحدثین سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حدیث پاک میں وارد شدہ لفظ نجد سے مراد نجد عراق ہی ہے اور اس سے مراد نجد ریاض نہیں اور اس سے یہ بات قطعاً لازم نہیں آتی کہ عراق کے رہنے والے لوگ بُرے ہیں کیونکہ عراق میں بڑے بڑے ائمہ کرام ومحدثین عظام اور فقہاء اسلام بھی گزرے ہیں بلکہ وہاں رہنے والے لوگ فتنوں میں اپنا ایمان بچاتے ہوئے صبر کریں تو ان کے لیے بڑا اجر وثواب ہے، ان شاء اللہ۔

اور جن فرق باطلہ نے مذکورہ حدیث نجد کو شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کو مطعون ٹھہرانے کی احمقانہ کوشش کی ہے وہ حقیقی دلائل اور براہین قاطع سے واضح ہوگئی ہے اب اگر کسی کلمہ گو کے دل میں ایمان کی رمق باقی ہے تو اسے فوراً اپنے غلط نظریے کی اصلاح کرنی چاہیے اور لوگوں کو یہ بھی معلوم ہونا

چاہیے کہ امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کا عقیدہ اور آپ رحمہ اللہ کی دعوت خالصتاً کتاب وسنت پر مبنی ہے اور جن لوگوں نے آپ رحمہ اللہ کی دعوت کو وھابی کہہ کر مطعون کرنے کی ناپاک کوشش کی انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ آپ رحمہ اللہ کا نام تو محمد ہے اس کے باوجود آپ کے والد کے نام کی طرف نسبت کر کے وھابی کیوں کہا گیا ہے؟ حالانکہ آپ کے نام کی نسبت سے آپ کی بابرکت دعوت کو قبول کرنے والوں کو محمدی کہنا چاہیے نہ کہ وھابی۔

لیکن یہ یہود ونصاریٰ اور ان کے حواریوں کی ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت لفظ محمدی چھوڑ کر وھابی رکھا گیا وہ سازش یہ ہے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی دعوت بڑی کامیابی اور تیزی کے ساتھ مسلمانوں میں پھیل رہی ہے تو یہود ونصاریٰ اور دشمنان توحید وسنت نے "وھابیت" کے نام سے مشہور کر دیا کیونکہ وھابی نام کا ایک خارجی فرقہ تھا جو دوسری صدی ہجری میں وجود میں آیا، اس فرقے کے بانی کا نام عبد الوہاب بن عبد الرحمٰن بن رستم تھا اور اس نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی اور اس نے اسلامی احکام معطل کر دیے تھے حج منسوخ کر دیا تھا اور یہ 197ھ میں شمالی افریقہ کے مشہور شہر تاہرت میں مر گیا اس خارجی وھابی تحریک کے بارے میں اس زمانے یا اس کے بعد آنے والے مغرب اقصی اور اندلس کے بعض علماء نے کفر کے فتوے لگائے تھے۔

قارئین کرام! اب آپ خود عدل وانصاف سے فیصلہ کریں کہ ایک شخص کا نام عبد الوہاب بن عبد الرحمٰن بن رستم ہے اور وہ شرعی احکام کو معطل کرتا ہے اور حج منسوخ کرتا ہے اور وہ خود خوارج کے کفریہ عقائد کا حامل ہے، جبکہ امام محمد

بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے نہ وہ شرعی احکام کو معطل کیا اور نہ حج کو منسوخ سمجھتے تھے نہ وہ خوارج کا عقیدہ رکھتے تھے۔

الغرض امام محمد رحمہ اللہ کا عبد الوہاب بن عبد الرحمٰن بن رستم سے نہ نام ملتا ہے اور نہ کام، نہ زمان، اور نہ ہی مکان ملتا ہے، اس کے باوجود بھی امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی خالص اور بابرکت دعوت توحید کو وھابی کہنا ایک بڑا الزام اور جھوٹا پروپگنڈہ ہے، جیسا کہ اس سے پہلے امام الانبیاء والمرسلین رحمۃ للعالمین الصادق الامین جناب محمد ﷺ کے خلاف بے بنیاد الزامات اور پروپگنڈے کئے گئے تھے اور انتہائی برے القاب (مجنون ساحر اور کاہن) سے پکارے گئے۔ والعیاذ باللہ

اور آج کل ایک خاص ملک اور اس کے پیروکار ایک خاص فرقہ سعودی عرب کے خلاف دن رات سازشیں کرنے میں مصروف ہے اور صرف اور صرف سعودی عرب کے اندر صحیح اسلامی عقیدہ پائے جانے کی وجہ ہے جس کی احیاء جزیرہ عرب میں خصوصاً اور پوری دنیا میں عموماً امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے اللہ کی خصوصی مدد و توفیق سے کی ہے۔

اور تمام مسلمانوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس فرقے کا یا اس ملک کا سعودی عرب اور امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی دعوت توحید سے بغض و عداوت رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ سعودی عرب کا نظام اور امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی دعوت برحق ہے، اور اب تک اللہ مالک الملک نے امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی بابرکت دعوت کی حفاظت اور اس کی نشر و اشاعت کی وجہ سے سعودی قیادت کو حرمین شریفین کی قیادت، سیادت، خطابت، امامت،

وخدمت کا شرف حاصل ہے اور مسلمانوں کو یہ بھی اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ اس فرقہ اور ایران نے آج تک ابو بکر ، عمر ، عثمان اور معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی حکومت وخلافت کو کبھی بھی برحق تسلیم نہیں کیا نیز بنی امیہ کے تمام دور خلافت کو، اسی طرح بنی عباس کے تمام دور خلافت اور عثمانیہ کے تمام دور خلافت کو صحیح نہیں مانا ہے اور کبھی درست تسلیم نہیں کیا تو یہ فرقہ سعودی اسلامی مملکت کو کہاں مانے گا؟؟

لہذا مسلمان اپنی آنکھیں کھولیں اور ہر قسم کی سازشوں سے ہوشیار رہیں، اللہ تعالی تمام مسلمانوں کو صحیح عقیدہ اور صحیح منہج عطا فرمائے اور ہر قسم کی سازشوں اور فتنوں سے محفوظ رکھے اور آپس میں اتفاق و اتحاد پیار ومحبت سے رہنے کی توفیق عطا فرمائے ،اور اسلامی مملکتوں کو عموماً اور سعودی عرب کو خصوصاً ہر قسم کے فتنوں، اور برائیوں سے محفوظ رکھے اور تمام اسلامی حکومتوں کو اسلام اور مسلمانوں کی صحیح معنوں میں قیادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

(3) شراب تمام جرائم کی جڑ مگر!!

الشیخ حافظ محمد یونس اثری حفظہ اللہ

سندھ ہائی کورٹ نے شراب پر پابندی لگائی اور اس کے مثبت اثرات نظر آنے لگے، لیکن پتہ نہیں کیوں ایسا لگتا تھا کہ شراب پر پابندی زیادہ دیر رہنے والی نہیں، ہم نے اس خدشے کا اظہار اپنے ایک کالم میں کیا، جو روزنامہ جارت میں شائع ہوا بہرحال یہ واقعتاً ایسی چیز ہے کہ جس پر پابندی لگائی جائے اور پھر اس کو مستقل طور پر قائم رکھا جائے۔ یہ بات بڑی قابل تعجب ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں شراب!! جبکہ شراب نوشی تو اس دور کا حصہ تھی جسے دور جاہلیت کہا جاتا ہے، اس دور میں لوگ شراب کے عادی تھے، اسلام نے آکر اسے ختم کیا، اور ایسا ختم کیا کہ لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ دیئے ۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُنْتُ سَاقِيَ الْقَوْمِ فِي مَنْزِلِ أَبِي طَلْحَةَ وَكَانَ خَمْرُهُمْ يَوْمَئِذٍ الْفَضِيخَ فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِيًا يُنَادِي أَلَا إِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ قَالَ فَقَالَ لِي أَبُو طَلْحَةَ اخْرُجْ فَأَهْرِقْهَا فَخَرَجْتُ فَهَرَقْتُهَا فَجَرَتْ فِي سِكَكِ الْمَدِينَةِ

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ابو طلحہ کے مکان میں لوگوں کو شراب پلا رہا تھا، اس زمانہ میں لوگ فضیخ شراب استعمال کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ اعلان کردے ، سن لو !شراب حرام کر دی گئی۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھ سے ابو طلحہ نے کہا: باہر جاؤ اور اس شراب کو بہادو چنانچہ میں باہر نکلا اور اس کو بہادیا۔ اس دن مدینہ کی گلیوں میں شراب بہہ رہی تھی۔(صحیح بخاری:2464، صحیح مسلم:1980)

اندازہ لگائیں کہ ادھر رسول اکرم ﷺ کا حکم ہے اور ادھر اس پر عمل ہے اور عمل کا منظر دیدنی ہے کہ شراب گلیوں میں بہہ رہی ہے۔ بلکہ جو زندہ ہیں انہیں گزرے ہوئے لوگوں کی فکر لاحق ہو گئی کہ وہ جو شراب نوش تھے ان کا کیا بنے گا؟؟ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر 93 کے ذریعے ان کی برأت کا حکم نازل ہوا۔

یقیناً شراب کئی ایک مفاسد والی چیز تھی (جیسا کہ آگے آرہا ہے) اسی لئے اسلام میں حرام ٹھہری اور اور صحابہ نے حکم نبوی ﷺ سنتے ہی شراب کو گلیوں میں بہادیا۔

شراب جرائم کی جڑ:

شراب دراصل جرائم کی جڑ ہے۔ اس کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ احادیث میں حرمتِ شراب سے قبل شراب نوشی کے مفاسد کا تذکرہ ملتا ہے، مثلاً: ایک صحابی نے شراب پی کر اونٹنیوں کے کوہان کاٹ دیئے اور مزید ان کو زخمی کیا اور نبی اکرم ﷺ جب اس ماجرے کے مطلع ہونے پر وہاں دیکھنے گئے تو وہ صحابی ہوش میں نہ تھے، ان کی آنکھیں سرخ تھیں، بلکہ زبان سے بھی کچھ کلمات کہہ دیئے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ابھی یہ ہوش میں نہیں ہے۔ اور واپس چلے گئے۔ (صحیح بخاری: 4003)

اس صحابی نے شراب نوشی کی وجہ سے نہ کہ صرف دو اونٹنیوں کو زخمی بلکہ ہلاک ہی کر دیا۔ معلوم ہوا کہ شراب نوشی کی وجہ سے انسان اس حد تک مخمور ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کی جان لے سکتا ہے۔

۲۔ شبِ معراج کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کو دو پیالے دیئے گئے، ایک میں دودھ اور دوسرے میں شراب تھی، جبرائیل علیہ السلام نے کہا، دونوں میں سے جو چاہیں پی لیجئے، نبی اکرم ﷺ نے دودھ لے کر پی لیا، تو نبی اکرم ﷺ سے کہا گیا،

کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے، اگر آپ ﷺ شراب پی لیتے، تو آپ ﷺ کی امت گمراہ ہو جاتی۔(صحیح بخاری:3394، صحیح مسلم:168)
اس حدیث میں شراب کو گمراہی کے طور پر تعبیر کیا گیا۔

۳۔ نبی اکرم ﷺ نے قربِ قیامت ہونے والے امور کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا علم اٹھا لیا جائے گا اور جہالت پھیل جائے گی اور شراب کو پیا جائے گا اور زنا کی کثرت ہو گی۔(صحیح بخاری:80)

اس حدیث کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قربِ قیامت ظاہر ہونے والے فتن اور برائیوں کے اسباب میں سے کچھ یہاں بیان ہوئے مثال کے طور پر جہالت۔ ظاہر سی بات ہے کہ جس کے پاس علم نہ ہو اور جاہل ہو، وہ شعور کے کس درجے پر کھڑا ہو گا اور ایسے احمق قسم کے لوگوں کی حماقتیں ان کو فتنوں اور برائیوں میں مبتلا کر دیں گی کیونکہ ان کے پاس علم نہیں۔

اسی طرح شراب نوشی جوان کے عقل پر پردے ڈال دے گی، جب عقل مخمور ہو جائے تو پھر انسان کوئی بھی جرم کر سکتا ہے۔ ایک گناہ کا تو ساتھ ہی ذکر ہے کہ زنا عام ہو جائے گا۔ مے نوشی اور حسن پرستی دونوں آج یکجا جمع نظر آتے ہیں۔ اور باقی جرائم کی اپنی داستان۔

۴۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: شراب نہ پیو یہ ہر شر کی چابی ہے۔(سلسلة الصحیحة:2798)

۵۔ ایک حدیث میں اسے ام الخبائث قرار دیا گیا۔(سلسلہ الصحیحة:1854)

٦۔ ایک حدیث میں راس کل فاحشة قرار دیا گیا۔(ارواء الغلیل:2026)

۷۔بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ نے ایک شخص کو پکڑ کر چار میں سے ایک برائی کے کرنے کا حکم دیا، نہ کرنے پر قتل کی دھمکی دی۔ کہ وہ شراب پئیے یا کسی عورت کے ساتھ بدکاری کرے، یا کسی کو قتل کرے یا خنزیر کا گوشت کھالے۔ اس نے شراب کو سب سے ہلکا جانتے ہوئے اس کے پینے کو اختیار کرلیا۔ جب اس نے شراب پی لی تو بدمست ہو کر اس نے بدکاری بھی کی، قتل بھی کیا، اور خنزیر کا گوشت بھی کھایا۔(سلسلۃ الصحیحۃ:2695)

اسی مفہوم کا ایک واقعہ ایک نیک شخص اور عورت کے بارے میں بھی ہے کہ ایک عورت ایک شخص پر فریفتہ ہوگئی اور بہانے سے گھر بلوالیا، اور اسے بدکاری، بچے کے قتل، اور شراب میں سے ایک کام کو اختیار کرنے کا کہا اور نہ کرنے پر دھمکی دی کہ وہ وایلا کرکے اس پر الزام لگائے گی۔ اس شخص نے عزت بچانے کے لیے سب سے ہلکا جانتے ہوئے شراب کو اختیار کیا، اور شراب پی لی۔ نتیجتاً وہ بدمست ہو کر بقیہ گناہوں کا بھی مرتکب ہوگیا۔(سنن النسائی: 5666)

مشت از خروارے کے طور پر پیش کردہ ان ادلہ کی روشنی میں یہ واضح ہوجاتا ہے کہ شراب کئی ایک جرائم کا بڑا سبب ہے۔

اب حالتِ واقعی بھی پیش کئے دیتے ہیں کہ شراب نوشی کی وجہ سے کس قسم کے جرائم رونما ہورہے ہیں۔

۱۔بیوی نے بچوں کے سامنے شراب پینے سے منع کیا تو شوہر نے گولی مار دی۔ (http://urdu.pradesh18.com/news/north-india/wife-protested-against-drink-in-front-of-the-children-husband-shot-him-145113.html

۲۔شراب پی کر لوگوں کو گالیاں دینے والا گرفتار۔

(http://www.nawaiwaqt.com.pk/crime-court/10-Feb-2015)

۳۔ شراب انسان تو انسان جانور پر بھی اثر انداز ہوتی ہے اور جانور بھی اسے پی کر وہی کرتا ہے جو انسان کرتا ہے۔(http://www.express.pk/story/376450)

۴۔ شراب پی کر بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی اور قتل۔

(http://m.dw.com/ur/a-18596441)

۵۔ نشہ کے عادی باپ نے پیٹ پیٹ کر بیٹی کو قتل کر دیا۔

(http://dailyaag.com/phase2/)

۶۔ شراب نوشی کے دوران چچا نے بھتیجے کو قتل کر دیا۔

(http://dunyanews.tv/print_news_urdu.php?nid=101998&catid=8&flag=d)

۷۔ کم سن بچوں سے جنسی زیادتی کرنے والا شخص اس طرح کے جرم سے قبل شراب ضرور پیتا تھا۔

.4(http://www.fikrokhabar.com/index.php/enlightenment.4-news-article/item/10868-kya-is-jisni-darinde-ko-kabhi.4-phansi-milegi)

یہ تو چند ایک نمونے ہیں جن سے یہ سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ اگر ہم جرائم کی روک تھام میں سنجیدہ ہیں تو ان اسباب کا بھی تعین کرنا ہوگا جو جرائم کی کثرت سبب بن رہے ہیں۔ ان میں سے ایک شراب نوشی ہے۔

شراب کی شناعت پر ایک طائرانہ نظر

رسول اللہ ﷺ گناہوں کی شناعت کو بیان کرتے تو اس میں شراب کا تذکرہ فرماتے مثال کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "زانی مومن ہونے کی حالت میں زنا نہیں کرتا ہے اور نہ مومن ہونے کی حالت میں شراب پیتا ہے اور شراب پینے والا مومن ہونے کی حالت میں شراب نہیں پیتا اور ڈاکو جب ڈاکہ زنی کرتا ہے اور لوگ اس کو دیکھ رہے ہیں اس ڈاکہ زنی کے موقع پر بھی وہ مومن نہیں ہوتا"۔ (صحیح بخاری: 2475)

اس حدیث کی رو سے معلوم ہوا کہ گناہوں سے ایمان میں کمی واقع ہوتی ہے، اور جن گناہوں کا یہاں رسول اللہ ﷺ نے تذکرہ فرمایا اس میں ایک شراب بھی ہے۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی ایسا کیس آجاتا کہ کسی نے شراب پی ہے تو رسول اللہ ﷺ صحابہ کو حکم فرماتے کہ اس کو ماریں اور اسے جوتیوں چھڑیوں وغیرہ سے مارا جاتا۔ (صحیح بخاری: 2316)

بلکہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں بھی کوڑوں سے سزا دی گئی۔ (صحیح بخاری: 6780) بلکہ اس کی حد بھی مقرر ہے جو کہ چالیس کوڑے ہے۔

شراب پینے والے، پلانے والے، بیچنے والے، خریدنے والے، نچوڑنے والے اسے تیار کروانے والے، منتقل کرنے والے اور جس کی طرف منتقل کی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملعون ہیں۔ (سنن ابی داؤد: 3674)

مسلمان کے لیے اس دسترخوان پر بیٹھنا بھی حرام ہے، جس پر شراب پی جاتی ہو۔ (جامع ترمذی: 2801، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا۔)

شراب پینے والے کی چالیس روز تک نماز قبول نہیں ہوتی۔ (سنن ابی داؤد: 3680)

قرآن مجید میں شراب کے لیے متعدد الفاظ یکے بعد دیگرے استعمال ہوئے جو اس کی حرمت کو مؤکد در مؤکد بنا دیتے ہیں۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ

المائدۃ–91/90

"اے ایمان والو! یہ شراب اور یہ جوا یہ آستانے اور پانسے سب گندے شیطانی کام ہیں، لہذا ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاسکو۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روک دے تو کیا تم باز آتے ہو؟"۔

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے شراب کی حرمت کے لیے جو الفاظ استعمال فرمائے، ان میں سے ہر لفظ انفرادی طور پر اس کی حرمت کے بیان کے لیے کافی ہے، لیکن ان تمام الفاظ کا اجتماع اس کی حرمت کی تاکید میں بہت اضافہ کر دیتا ہے۔

"(1) رِجْسٌ" یعنی گندے کام کا لفظ استعمال کیا۔ ہر ناپاک حرام ہوتا ہے۔

"(2) مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ" یعنی شیطانی اعمال سے ہیں۔ اور ہر شیطانی کام حرام ہے۔

"(3) فَاجْتَنِبُوْهُ" یعنی ان سے بچو۔ شریعت جس کام سے روک دے، بچنے کا حکم دے وہ حرام ہوتا ہے۔

"(4) لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" یعنی تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شریعت نے جس کام کے ترک کے ساتھ فلاح کو معلق کیا اس کا کرنا حرام اور خسارہ والا عمل ہے۔

(5) "اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ" یعنی شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے۔ ہر مضر چیز

شریعت نے حرام قرار دی ہے اور مضر بھی ایسی کہ جو باہمی دشمنی کا سبب بن رہی ہو جو کہ اسلام کو کسی طور گوارا نہیں۔

"(6) وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ" یعنی اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ جو کام دین سے دوری کا سبب بنے وہ حرام ہوتا ہے۔

"(7) فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ" یعنی: پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟۔ اتنے نقصانات بتلا کر استفہامیہ انداز جو کہ استفہام تقریر کے لئے ہے کہ تمہیں باز رہنا ہے۔

بیک وقت ان متعدد الفاظ کے ذریعے سے شراب کی حرمت کو بیان کیا۔ اس کے بعد بھی اس کی حرمت کو اور اس کی شرعی سزا کو محل خلاف سمجھنا عجب تر ہے۔

شراب کے طبی نقصانات:

شراب اس قدر بری چیز ہے کہ جب ایک شخص شراب پیتا ہے تو اسے برائی سے روکنے والا نظام خود ہی رک جاتا ہے۔ پھر وہ سب کچھ کر سکتا ہے جسے ہوش و حواس میں کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ 1996ء میں ایک سروے کے مطابق امریکہ میں روزانہ زنا بالجبر کے ہونے والے واقعات کی تعداد 2713 تھی۔ جن میں سے اکثر نشے میں مدہوش ہوتے تھے۔ بلکہ اعداد و شمار کے مطابق 8 فیصد امریکی محرمات سے مباشرت کرتے ہیں یقیناً ایسے واقعات کی وجہ شراب ہی ہے۔

شراب کی وجہ سے لاحق ہونے والی بیماریوں کی اگر فہرست بنائی جائے تو اس میں سر فہرست جگر کا سرطان، معدے کی نالی کا سرطان، بڑی آنت کا سرطان، معدے کی نالی، معدے، لبلبے، جگر کی سوزش، بلڈ پریشر، دل کے عضلات کا تباہ ہونا، دل کی شریان کے خراب ہونے سمیت دیگر دلی امراض، دماغی فالج اور دیگر نفسیاتی بیماریاں، بیری بیری، ڈیلیریم ٹریمنس، اینڈو

کرائن، خون سے متعلقہ بیماریاں، پھیپھڑوں کی بیماریاں، جلدی بیماریاں ہیں۔ الغرض جسم کا کون سا حصہ ہے کہ جس کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ وہ شراب کی وجہ سے متاثر نہیں ہوتا۔

ایک جرمن طبیب کا کہنا ہے:

اقفلوا لی نصف الحانات اضمن لکم الاستغناء عن نصف المستشفیات والملاجی والسجون

تم شراب کی دوکانوں میں سے آدھی دوکانیں بند کردو میں تم کو آدھے شفاخانوں، پناگاہوں اور جیل خانوں سے مستغنی کرنے کی ضمانت لیتا ہوں۔ (شراب و نشہ آور اشیاء کی حرمت و مضرت:92)

اسی کتاب سے ماخوذ و ملخص بعض مغربی اطباء کی شہادتیں پیشِ خدمت ہیں:

انگلینڈ کے طبی بورڈ کی رپورٹ میں اس بات کا اعتراف ہے کہ شراب سے بدنی حرکات، قوت عقلیہ کا نظام خراب ہوجاتا ہے۔

سنوڈن جو کہتا ہے کہ میں جنگ عظیم میں اس بورڈ کا رکن تھا جو شراب کے حوالے سے ریسرچ کررہا تھا۔ وہ اعتراف کرتا ہے کہ شراب کی کوئی قسم نقصان سے خالی نہیں بلکہ ایک لکھنے والے نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ وہ تیز ہتھیار جو اہل مشرق اور مسلمانوں کا صفایا کرسکتا ہے وہ شراب ہے۔

ایک امریکی ڈاکٹر نے تو شراب کو بطور علاج کے استعمال سے بھی روک دیا۔

کچھ انگریز ڈاکٹروں نے تو لکھ ڈالا کہ ”دماغی امراض کے ہسپتالوں یعنی پاگل خانوں میں داخلے کی سب سے بڑی وجہ شراب نوشی ہے۔ بہت سے حادثے اور خودکشی کی وارداتیں شراب نوشی کی وجہ سے ہوتی ہیں ۔ شراب نوشی مسلسل جسمانی اور دماغی تنزل کا باعث ہے۔“

ذاتی طور پر تو یہ نقصانات ہیں ہی!! معاشرے پر بھی اس کے برے اثرات منتج ہوتے ہیں ۔ جیسا کہ ایک مصنفہ لکھتی ہیں: ”ڈیلی نیوز کراچی کی 19 جنوری 1970ء کی اشاعت میں اے پی پی خبر رساں کے حوالے سے ہے کہ نیشنل کونسل آف الکوہل ازم کی آخری رپورٹ کے مطابق انگلستان میں دو سو پچاس ملین پونڈ سالانہ کا نقصان شراب نوشی کی وجہ سے کام کرنے والوں کی غیر حاضریوں اور دوسرے مضر اثرات کی صورت میں ہوتا ہے۔ ہر پیر کو اڑھائی لاکھ آدمی اتوار کی شراب خوری کی وجہ سے غیر حاضر رہتے ہیں ۔ شراب نوشی کے عادی مزدور سال میں چالیس سے ساٹھ دن تک کا کام ضائع کر دیتے ہیں۔“

(4) ٹریفک قوانین کی پاسداری شرعی اصولوں کی روشنی میں

زیرِ نظر تحریر دراصل عرب کے عالم دین "فضل اللہ ممتاز" کے تحقیقی مقالہ "الأحکام الفقھیۃ المتعلقۃ بحوادث السیر" کا ترجمہ و تلخیص ہے۔ جس میں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق حکومتی قوانین کی پاسداری اور اس حوالے سے جاری کردہ قوانین کا شرعی رو سے تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ ہمارے فاضل دوست حافظ احمد نے اس کے اہم مباحث کو بغرض افادہ قارئین اردو قالب میں ڈھالا ہے ۔اور جس مقام پر وضاحت واضافے کی ضرورت محسوس کی گئی وہ بھی کیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس تحریر سے کماحقہ مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ادارہ

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔۔۔۔۔۔ أما بعد!

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بنی نوع انسان پر بے شمار نعمتیں نازل فرمائی ہیں ان نعمتوں میں سے ایک نعمت سواری ہے۔ پرانے وقتوں میں انسان سواری کے لئے جانوروں کا استعمال کرتے تھے لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ جہاں انسان نے دیگر شعبوں میں ترقی کی وہاں اس نے سفری صعوبتوں کو کم کرنے کے لئے گاڑی کی ایجاد کی۔

گاڑی کی ایجاد کے بعد انسان کو ایک ایسے نظام کی ضرورت پیش آئی جو ٹریفک کو رواں رکھنے میں مدد فراہم کرے اور نقصان کی صورت میں ضامن کا تعین کرے۔ چنانچہ انسان نے نظام ٹریفک متعارف کروایا۔ ذیل میں ہم ٹریفک کے نظام کی اہمیت وافادیت پر بحث کریں گے نیز ہم اس نظام کو

شریعت کے اصولوں پر بھی پرکھیں گے کہ کیا مسلمان شرعا اس نظام کا پابند ہے یا نہیں!؟ اور اگر ہے تو کس حد تک؟

نظامِ ٹریفک وقت کی اہم ضرورت:

دور حاضر میں نقل و حمل کے لئے گاڑی کا استعمال ناگزیر ہے۔ لیکن افسوس کچھ لوگ اس کا غلط استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے معاشرے میں بسنے والے دیگر افراد کی زندگی میں حرج واقع ہوتا ہے۔ اس لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ ایک ایسا نظام بنایا جائے جو ٹریفک کو منظم کرے اور اس حوالے سے ہونے والی کسی بھی قانونی مخالفت پر گرفت کی جاسکے۔ چونکہ گاڑی ایک مشین ہے جو مکمل طور پر چلانے والے کے تابع ہوتی ہے۔ اس لئے تمام تر ذمہ داری ڈرائیور پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اس مشین کا صحیح استعمال کرے۔ کیونکہ اس کے غلط استعمال میں انسانی جان کے ضیاع کا خدشہ بھی ہے اس لئے بھی ایک ایسے نظام کی ضرورت تھی جو انسانی جان کے ضیاع کے اس خدشہ کو کم سے کم کردے۔ یہ چونکہ نظام حکومت کی طرف سے عوام پر نافذ کیا جاتا ہے اس لئے اس نظام کو بناتے وقت مصلحت عامہ کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ اور حاکم وقت کے واجبات میں سے ایک واجب یہ بھی ہے کہ وہ اپنی رعایا کی جان و مال کی حفاظت کا خیال رکھے۔

حکومت کے نافذ کردہ نظام میں حاکم کی اطاعت:

حاکم کی اطاعت ہر مسلمان پر واجب ہے۔ حاکم اپنی حکومت چلانے کے لئے کچھ قوانین کا اجراء کرتا ہے ان میں سے ایک نظامِ ٹریفک بھی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ

النساء–95

’ ‘اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالی کی اور فرمانبرداری کرو رسول ﷺ کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔

ابن العربی رحمہ اللہ اطاعت کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ ” اطاعت کا معنی ہے کہ جو حکم دیا جائے اس پر عمل کیا جائے اور مذکورہ آیت کی تفسیر میں اولی الامر سے مراد علماء اور حکام ہیں“۔] 2[

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نظام ٹریفک پر عملدرآمد کرنا حاکم کی اطاعت میں سے ہے۔]3[

حاکم نے یہ نظام کسی ایک فرد کی مصلحت کے لئے نہیں بلکہ مفاد عامہ کو مدنظر رکھتے ہوئے بنایا ہے۔ اور اس نظام پر عمل کرنے سے جان و مال دونوں محفوظ رہتے ہیں جبکہ اس کی مخالفت سے نا صرف لوگوں کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے بلکہ بسا اوقات انسان خود اپنی جان کی ہلاکت کا باعث بھی بنتا ہے جو کہ حرام ہے۔

اس سلسلے میں مجمع الفقہ الاسلامی نے ایک اعلامیہ بھی جاری کیا ہے کہ ”ایسے قوانین جو کہ شرعی احکامات سے متصادم نہ ہوں ان پر عمل کرنا واجب ہے۔ اس کی دلیل مصالح مرسلہ ہیں۔ چونکہ یہ قوانین حاکم کی طرف سے نافذ کیے جاتے ہیں اس لئے ان قوانین کے نفاذ میں مصالح عامہ کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ جبکہ ان کی مخالفت کی صورت میں جرمانہ عائد کیا جاتا ہے کیونکہ مخالفت کی وجہ سے دوسرے لوگوں کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ اور یہ حاکم کے واجبات میں سے ہے کہ وہ اپنی رعایا کے جان و مال کا تحفظ یقینی بنائے“۔] 4[

ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کی وجہ سے ہونے والے حادثات:

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نظامِ ٹریفک کی خلاف ورزی سے بے شمار دردناک حادثات ہوتے ہیں جن میں لوگوں کی جان اور مال ضائع ہو جاتا ہے۔ ذیل میں ہم ان خلاف ورزیوں کو مختصراً پیش کرتے ہیں۔

حد رفتار سے تجاوز:

کوئی ڈرائیور خود اپنے لئے حد رفتار مقرر کرے یہ ممکن نہیں کیونکہ یہ چیز راستے کی وسعت اور تنگی پر انحصار کرتی ہے بلکہ ہر گاڑی کی حد رفتار مختلف ہوتی ہے۔ اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو حد رفتار حکومت کی طرف سے مقرر کی جائے اس سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اور اسی میں عوام کا فائدہ ہے جبکہ حد رفتار سے تجاوز کی صورت میں انسان اپنے ساتھ دوسروں کے لئے بھی خطرے کا باعث بنتا ہے۔ اور پھر ہمارے سامنے نبی ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے کہ: "جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے"۔ [5]

ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ حاکم کی اطاعت کرنا واجب ہے تو رفتار کے معاملہ میں بھی یہی قاعدہ ملحوظِ خاطر رہے گا۔ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "جلد بازی شیطان سے ہے کیونکہ یہ انسان میں طیش پیدا کرتی ہے اور اسکو وقار پر قائم رہنے سے روکتی ہے اور انسان کو ظلم پر اکساتی ہے اور برائی کو جنم دیتی ہے اور خیر سے روکتی ہے۔ اور عجلت دو مذموم چیزوں سے پیدا ہوتی ہے، غفلت اور وقت سے پہلے حصول کی خواہش کرنا۔ [6]

سرخ اشارے کی پابندی نہ کرنا:

ہر گاڑی چلانے والا ٹریفک کے اشاروں سے واقف ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ سرخ اشارے سے کیا مراد ہے؟ اور سبز سے کیا مراد ہے؟۔ ان اشاروں پر عمل نہ کرنا خطرے سے خالی نہیں اور اس میں حادثہ

ہونے کے امکانات بہت زیادہ ہوتے ہیں اس لئے سرخ اشارے کو کسی بھی حالت میں نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ سے ٹریفک اشاروں کی بابت سوال ہوا تو شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا:

ٹریفک سگنلز پر عمل نہ کرنا کسی طرح بھی روا نہیں۔کیونکہ یہ اشارے حاکم کے قول کی منزلت پر ہیں جیسا کہ حاکم کہے کہ رکو یا کہے کہ چلو اور بحیثیت مسلمان ہم پر حاکم کا ہر (جائز) حکم ماننا فرض ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے کہ: اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالی کی اور فرمانبرداری کرو رسول ﷺ کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔(النساء59)]7[

اسکے علاوہ کچھ اور اسباب بھی ہیں جن کی طرف محض اشارہ کر دینا ہی کافی ہو گا مثلا نیند کا آجانا، گاڑی کو وقتاً فوقتاً چیک نہ کرنا وغیرہ مگر ان کی وجہ سے حادثات کا تناسب بہت کم ہے لیکن اس کے باوجود ان امور پر تنبیہ ہونی چاہیے۔

ٹریفک چالان:

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حاکم کی اطاعت کرنا فرض ہے۔اسکے ساتھ ساتھ حاکم کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی رعایا پر ظلم نہ کرے اور ان کے جان ومال کا تحفظ کرے۔اسی لیے جب کوئی شخص ٹریفک قوانین کا احترام نہیں کرتا تو اس پر جرمانہ عائد کیا جاتا ہے کیونکہ اس ایک شخص کی خلاف ورزی کرنے سے دوسرے لوگوں کی جان اور مال خطرے میں پڑ جاتے ہیں اس لئے حاکم کی طرف سے جرمانہ عائد کرنا جائز ہے کیونکہ خلاف ورزی کرنے والا شخص معاشرے میں انتشار کا سبب بنتا ہے تو ایسا شخص سزا کا مستحق ہے اسی لئے سزا کے طور پر اس کو جرمانہ کیا جاتا ہے جو کہ حقیقت میں

اس کے لئے رحمت ہے تاکہ وہ شخص آئندہ ایسا کرنے سے باز رہے۔ لیکن سزا میں مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھنا چاہیے۔

سزا دینے والے کے سامنے مصلحت عامہ ہونی چاہیے نا کہ ظلم اور مال حاصل کرنا۔

سزا جرم کی نوعیت کے مطابق ہونی چاہیے۔

ٹریفک کانسٹیبل کو چاہیے کہ وہ تمام لوگوں میں برابری کرے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّـهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ

النحل–90

''اللہ تعالی عدل اور بھلائی کا حکم دیتا ہے''۔

سزا کی اقسام:

سزا کی تقسیم دو طرح کی ہوتی ہے: 1 جسمانی سزا 2 اور مالی سزا۔

جسمانی سزا:

جسمانی سزا جیسا کہ قید کی سزا، معینہ مدت کے لیے لائسنس ضبط کرنا، یا پھر معینہ مدت کے لیے گاڑی ضبط کرنا وغیرہ لیکن اس میں بھی اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ جس طرح کی مخالفت ہو سزا بھی اتنی ہی ہونی چاہیے۔

مالی سزا:

مالی سزا پر علماء کا اختلاف ہے اکثر اہل علم کے نزدیک مالی سزا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ وسیلہ ہے لوگوں کے مال پر ناحق قبضہ کرنے کا جبکہ بعض علماء کے نزدیک مالی سزا دینا جائز ہے لیکن اس کے لئے کچھ قواعد وضوابط ہیں۔

اس مسئلے پر فقہاء کی دونوں رائے کو ہم تفصیلا ذکر کئے دیتے ہیں۔

پہلی رائے:

جمہور فقہاء کا مذہب ہے کہ مالی جرمانہ ناجائز ہے۔ جیسا کہ امام حصکفی حنفی فرماتے ہیں کہ "سزا قید، سخت ڈانٹ ڈپٹ، اور زبانی سرزنش کی ہونی چاہیے نا کہ مالی جرمانہ کی صورت میں۔ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ اس پر تعلیقاً فرماتے ہیں کہ: مالی سزا مذہب میں نہیں۔ الفتح میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ حاکم کے لیے مالی سزا دینا جائز ہے۔ ظاھراً یہ روایت ضعیف لگتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک مالی سزا میں ایک معین مدت کے لیے مال لینا ہے نا کہ وہ مال حاکم اپنے لیے یا بیت المال کے لیے لے کیونکہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ بغیر سبب شرعی کسی دوسرے مسلمان کے مال پر قبضہ کرے"۔[8]

احمد الصاوی المالکی فرماتے ہیں کہ: مالی سزا اجماعاً جائز نہیں ہے۔[9]

امام العمرانی الشافعی مالی سزا کے قائل ہیں کہتے ہیں "جرائم کے مرتکب فاق لوگ ہیں، ہاں اگر ان کے پاس مال نہیں ہے تو حاکم کو چاہیے کہ ان کو قید کردے اور اگر ان کے پاس مال ہے تو اس میں سے کتنا لینا چاہیے اس بارہ میں شافعی مذہب میں دو رائے ہیں۔

قدیم مذہب میں:

ان سے زکاۃ اور ان کے مال کا نصف سزا کے طور پر لیا جائے گا۔ دلیل کے طور پر وہ بھز بن حکیم کی روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جس نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو ہم لازماً اس سے لیں گے اور اس کا نصف مال بھی"۔[10]

جدید مذہب میں:

ان سے صرف زکاۃ لی جائے گی اور اس کے علاوہ کچھ نہیں لیا جائے گا۔[11]

ابن قدامہ الحنبلی فرماتے ہیں کہ سزا قید، ڈانٹ ڈپٹ وغیرہ ہونی چاہیے کیونکہ شریعت میں کوئی مالی سزا نہیں۔[12]

1 نبی ﷺ کا فرمان: مال میں سوائے زکوٰۃ کے کوئی اور حق نہیں۔]13[

2 مالی سزا ابتدائے اسلام میں جائز تھی پھر اللہ تعالی نے اس کو منسوخ فرما دیا۔

3 مذاہب اربعہ میں سے بعض فقہاء کا مذہب۔] 14[

دوسری رائے: مالی سزا کا دینا جائز ہے

اس مسئلہ میں صحیح رائے یہ ہے کہ مالی سزا کا دینا جائز ہے لیکن ان قواعد وضوابط کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو سابقہ سطور میں بیان کئے گئے ہیں۔ واللہ اعلم

دلائل ذیل میں ملاحظہ کریں:

نمبر 1: مالی عقوبت کی مثالیں سلف سے کثرت سے ملتی ہے۔ جیسا کہ ابن القیم رحمہ اللہ الطرق الحکمیۃ میں ذکر کرتے ہیں]15[

اور ابن الاخوۃ معالم القربۃ میں بھی مالی سزا کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔]16[

اسکے علاوہ ابن فرحون المالکی بھی تبصرۃ الحکام میں مالی سزا کی مثال پیش کرتے ہیں۔]17[

نمبر 2: جمہور نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ دو وجہ سے ضعیف ہے۔

أ: سند کے اعتبار اس روایت میں "میمون الاعور" نامی راوی ضعیف ہے، جیسا کہ ابن الحجر نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔]18[

ب: امام عراقی نے ان کی اس روایت کو متن حدیث میں اضطراب کی مثال کے طور پر ذکر کیا ہے۔ لیکن سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی تردید کی ہے۔]19[

نمبر 3: جمہور اہل علم نے مالی سزا پر جن تحفظات کا اظہار کیا ہے اگر سابق الذکر قواعد وضوابط لاگو کردئے جائیں تو یہ خطرات بھی زائل ہو جائیں گے۔ اس لئے امام غزالی فرماتے ہیں کہ "حاکم اگر مصلحت دیکھے تو ایسا کرسکتا ہے۔] 20[

اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا

الاسراء—70

"اور بلاشبہ ہم نے عزت بخشی بنی آدم کو اور ان کو طرح طرح کی سواریوں سے نوازا خشکی میں بھی اور تری میں بھی اور ہم نے ان کو روزی کا سامان مہیا کیا طرح طرح کی پاکیزہ چیزوں سے اور ان کو اپنی بہت سی مخلوق پر طرح طرح کی فضیلت بخشی"۔

مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے بنی آدم کی تکریم کیلئے شریعت میں احکامات نازل فرمائے جو کہ اس کی زندگی اور مال کی حفاظت کرتے ہیں کیونکہ یہ وسیلہ ہیں عزت کی زندگی گذارنے کا۔ اور اس کی جان اور مال پر کسی بھی طرح کے ظلم کو جرم قرار دیا اور اسکی سزا مقرر فرمائی آخرت میں جبکہ دنیا میں اس پر ہرجانہ اور سزا متعین فرمائی۔ دین اسلام میں کوئی مال اور جان نظر انداز نہیں (یعنی بغیر دیت اور عوض کے کسی کی جان ومال کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا)۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا

النساء—93

"اور جو کوئی کسی مسلمان کو قصداً قتل کرڈالے اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔"

اور فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا

النساء-93

"کسی مومن کو دوسرے مومن کو قتل کرنا زیبا نہیں مگر غلطی سے ہو جائے (تو اور بات ہے) جو شخص کسی مسلمان کو بلا قصد مار ڈالے اس پر ایک مسلمان کی گردن آزاد کرانا لازم اور مقتول کے عزیزوں کو خون بہا پہنچانا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ بطور صدقہ معاف کردیں۔"

اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

ان دماؤکم واموالکم حرام علیکم کحرمۃ یومکم ھذا

"تمہارے خون اور مال تم پر ایسے حرام ہیں جیسا کہ یہ دن (یعنی حج کا دن)۔" [21]

جان اور مال کی حفاظت ان پانچ بنیادی ضروریات میں سے ہے جن کی اسلام نے ہر حال میں حفاظت کی ہے۔ اور انہیں ہر طرح کے خطرے سے محفوظ کیا ہے۔[22]

اور انسانی نفس کو پہنچنے والے نقصانات کے ازالے کے لئے دیت مقرر فرمائی ہے۔ جبکہ مالی نقصانات کے ازالے کے لئے ہرجانہ مقرر فرما کر نفس اور مال کی حفاظت فرمائی۔ پس دوسروں کو جانی اور مالی نقصان پہنچانا حرام ہے اور اس کی حرمت قرآن اور سنت سے ثابت ہے۔

ضمانت اور ضامن کے لئے مقرر کردہ شرعی قواعد:

ا: نقصان کو روکنے اور اسکے ازالے کے لئے قواعد عامہ

۲: نقصان اور ضامن کے تعین لئے خصوصی قواعد

نقصان کو روکنے اور اسکے ازالے کے لیے قواعد عامہ:

قاعدہ نمبر 1: لاضرر ولا ضرار: (نہ کسی کو ابتداءً نقصان پہنچایا جائے اور نہ بدلے میں)

یہ قاعدہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ نقصان کے مقابلہ میں نقصان کرنا جائز نہیں سوائے حدود و قصاص کے۔ اور جس کا نقصان ہوا ہے وہ اگر چاہے تو معاف کر دے یا نقصان کا ہرجانہ وصول کر لے۔ پس جس کی گاڑی کو ٹکر لگی ہے اس کے مالک کو چاہیے کہ وہ یا تو ٹکر مارنے والی گاڑی کے مالک سے نقصان کا ہرجانہ لے، یا اسے معاف کر دے۔ جس گاڑی کو ٹکر لگی ہے اس کے مالک کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنی گاڑی سے دوسرے فریق کی گاڑی کو ٹکر مار کر بدلہ لے کیونکہ شریعت میں جان بوجھ کر نقصان نہ کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔] 23[

قاعدہ نمبر 2: الضرر یزال (نقصان کا ازالہ کیا جائے گا)

حقوقِ خاصہ کے باب میں اس قاعدہ کی تطبیق ایسے کی جا سکتی ہے کہ جس گاڑی والے نے اپنی گاڑی دوسرے کی گاڑی سے ٹکرائی ہے وہ اس دوسرے متاثرہ شخص کے نقصان کا ازالہ کرے گا۔

قاعدہ نمبر 3: المرور فی الطریق مباح بشرط السلامۃ فیما یمکن الاحتراز عنہ۔

یہ قاعدہ فقہاء کے نزدیک متفق ہے۔ اور اس قاعدے کے تحت سڑک سے استفادہ حاصل کرنا ہر انسان کا حق ہے چاہے وہ پیدل ہو یا سواری پر ہو لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ دوسروں کے لیے ضرر کا باعث نہ ہو۔ لیکن اگر وہ اس شرط کی مخالفت کرتا ہے تو وہ گنہگار ہو گا اور اسکے نتیجے میں ہونے والے نقصان کا ذمہ دار بھی وہی شخص ہو گا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إیاکم والجلوس بالطرقات فقالوا یارسول اللہ مالنا من مجالسنا بد نتحدث فیھا قال فإذا أبیتم إلا المجلس فأعطوا الطریق حقه. قالوا وما حق الطریق یارسول اللہ قال غض البصر وکف الأذی ورد السلام والأمر بالمعروف والنھي عن المنکر

راستوں میں بیٹھنے سے اجتناب کرو۔ یہ سن کر بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہمارے لئے راستوں میں بیٹھنے کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہیں ہے جہاں ہم باتیں کرتے ہیں۔ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جب تمہارے پاس مجبوری کی بناء پر بیٹھنے کے علاوہ کوئی دوسری صورت نہیں تو پھر اس کا حق ادا کرو۔ یعنی اگر ایسی صورت ہو کہ راستے میں بیٹھنے سے اجتناب کرنا تمہارے لئے ممکن نہ ہو اور تمہیں ایسی جگہ بیٹھنا پڑے جو راستہ پر واقع ہو تو راستے کا حق ادا کرو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ راستے کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نگاہیں نیچی رکھنا۔ (یعنی غیر محرم عورتوں و حرام چیزوں پر نظر نہ ڈالنا)، ایذارسانی سے باز رہنا۔ (یعنی راستہ تنگ کرنے یا کسی اور طرح سے گزرنے والوں کو ایذاء نہ پہنچانا)، سلام کا جواب دینا اور لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم کرنا اور بری باتوں سے روکنا۔]24[

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عام سڑک سے فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن دوسروں کے لیے ضرر اور نقصان کا باعث نہ بنے۔

نقصان اور ضامن کے تعین لئے متعین کردہ چند فقہی قواعد:

قاعدہ نمبر 1: المباشر ضامن وان لم یکن متعدیا

یہ قاعدہ فقھاء کے نزدیک متفق علیہ قاعدہ ہے۔ مجلۃ الأحکام العدلیۃ میں یہ قاعدہ "المباشر ضامن وان لم یتعمد" یعنی نقصان کرنے والا ضامن ہے اگرچہ اس نے وہ نقصان جان بوجھ کر نہ بھی کیا ہو۔ کے الفاظ کے ساتھ مذکور

ہے۔اور یہاں تعمد سے مراد زیادتی لی جائے گی کیونکہ مالی نقصان ہر حالت میں
ادا کرنا ہوتا ہے چاہے وہ قصداً ہو یا بلا قصد۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قصداً
نقصان کی صورت میں کرنے والا گناہ کا مستحق بھی ہوگا۔ اسی لیے چھوٹے بچے اور پاگل
،دیوانے کے ہاتھوں ہونے والے نقصان پر ان پر گناہ نہیں لیکن پھر بھی ان
کے سرپرست سے نقصان کا معاوضہ لیا جاتا ہے کیونکہ اسلام کسی بھی
نقصان کو نظر انداز نہیں کرتا۔]25[

اسی طرح گاڑی سے ٹکر مارنے والا ہر قسم کے نقصان کا ضامن ہوگا چاہے وہ نقصان
قصداً ہو یا بلا قصد بس فرق صرف اتنا ہے کہ قصد کی صورت میں وہ گناہ
گار ہوگا۔ اور بلا قصد والے پر صرف نقصان کا ازالہ ہوگا جیسا کہ حدیث میں ہے
آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن الله تجاوز لأمتي الخطأ والنسيان، وما استكرهوا عليه

" 'اللہ تعالیٰ نے میری امت سے بھول چوک اور زبردستی (کروائے گئے
کام) معاف کر دیئے ہیں"۔]26[

ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اس حدیث میں ناسی (بھول جانے
والے) اور مخطی (غلطی کرنے والے) پر گناہ اس لیے نہیں کہ ان کی نیت نقصان
پہنچانے کی نہیں تھی]' 27[

ابن غانم البغدادی فرماتے ہیں کہ "نقصان کرنے والا ضامن ہوگا چاہے وہ بلا قصد
ہی نقصان کا مرتکب کیوں نہ ہوا ہو"۔]28[

نقصان کرنے والے کا ضامن ہونے میں عمد کی شرط ہونا لازم نہیں چاہے
اس کا عمل اصلاً ممنوع ہو یا وہ حکومت کی طرف سے ممنوع قرار دیا گیا ہو
جیسا کہ تیز رفتاری یا سرخ اشارے پر گاڑی نہ روکنا وغیرہ۔

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ مباشر (یعنی نقصان کرنے والا) ہر حال میں ضامن
ہوگا تو یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ مباشر کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ فقہاء نے

مباشر کی تعریف یوں کی ہے کہ: "مباشر وہ شخص ہے جو نقصان میں براہ راست ملوث ہو"۔[29]

اور مباشر میں مکلف ہونے کی شرط نہیں ہے مثلاً اگر کوئی نابالغ بچہ گاڑی چلا رہا ہو اور اس سے حادثہ ہو جائے تو ایسی صورت میں تمام تر ذمہ داری اس بچہ پر عائد کی جائے گی۔ جیسا کی زھری اور قتادہ رحمہما اللہ نے فرمایا کہ:

اور مباشر میں مکلف ہونے کی شرط نہیں ہے مثلاً اگر کوئی نابالغ بچہ گاڑی چلا رہا ہو اور اس سے حادثہ ہو جائے تو ایسی صورت میں تمام تر ذمہ داری اس بچہ پر عائد کی جائے گی۔ جیسا کی زھری اور قتادہ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ:

مضت السنۃ ان عمد الصبی والمجنون خطأً

"سلف میں یہ سنت جاری رہی ہے کہ بچے اور پاگل کا عمداً کام بھی غلطی اور خطا میں شمار ہو گا"۔[30]

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کی حادثہ کی صورت میں جانچ پڑتال بہت احتیاط سے کرنی چاہیے تاکہ طرفین میں سے کسی پر بھی ظلم نہ ہو۔

قاعدہ نمبر 2: اذا اجتمع المباشر والمتسبب یضاف الحکم الی المباشر:

یعنی اگر مباشر اور متسبب جمع ہو جائیں تو حکم مباشر پر ہو گا۔ یہاں مباشر اور متسبب کی تعریف کرنا ضروری ہے۔

مباشر: جس سے براہ راست نقصان ہوا ہو۔

متسبب: جس سے بلاواسطہ نقصان ہوا ہو۔

مثال: اگر ایک شخص نے کنواں کھودا اور اس کنویں میں کسی دوسرے شخص نے کسی کا جانور پھینک دیا تو اس صورت میں مباشر وہ ہو گا جس نے جانور پھینکا اور جس نے کنواں کھودا وہ شخص متسبب ہوا۔
دوسری مثال: ایک شخص نے چور کو کسی کے مال کہ بارہ میں بتایا اور چور نے وہ مال چوری کر لیا تو ایسی صورت میں ہاتھ صرف چور کا کاٹا جائے گا کیونکہ وہ مباشر ہے جبکہ راہ دکھانے والے کو تعزیر اً سزا دی جائے گی کیونکہ وہ متسبب ہے۔
آخر میں چند اہم باتوں کو نکات کی صورت میں پیش کرتے ہیں:
(1) ٹریفک نظام کی پابندی ہر حال میں کرنی چاہیے، پابندی نہ کرنے کی صورت میں ایک تو حاکم کی اطاعت نہ کرنے کا گناہ بھی ہے اور دوسرا حادثے کی صورت میں جان ومال کا ضیاع بھی جو کہ شرعاً جائز نہیں۔
(2) حاکم کے لیے جائز ہے کہ وہ مالی سزا بھی لاگو کر سکتا ہے اور جسمانی سزا بھی۔
(3) اگر مباشر (براہ راست نقصان کرنے والا) اور متسبب (جو کسی وجہ سے واقعہ کا سبب بنا) جمع ہو جائیں تو حکم مباشر پر ہو گا۔
وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

---

[2] احکام القرآن لابن العربی 451/1، احکام القرآن للجصاص 264/2، فتح الباري 120/13
[3] الفقه الاسلامي وادلته 6//704
[4] مجله مجمع الفقه الاسلامي شماره نمبر 8 ج 2 ص 173 اور 273
[5] مام بیهقی نے اسے "شعب الایمان" میں روایت کیاهے اور علامه البانی رحمه الله نے "صحیح الجامع" 3011 میں اسے صحیح قرار دیاهے۔
[6] فیض القدیر للمناوی ج 3 ص 277
[7] فتاوی وتوجیهات في الاجازة والرحلات للشیخ ابن عثیمین ص 80
[8] حاشیة رد المحتار لابن عابدین علی الدر المختار 61/4، البحر الرائق 68/5

[9]بلغۃالسالک4/268، الدسوقی علی الشرح الکبیر370/6

[10]ابو داؤد:1575، مسند احمد2/4

[11]المجموع298/5، البیان للامام العمراني137/3

[12]المغنی لابن قدامۃ:526/12

[13]ابن ماجہ1789، ابن حجر اور امام نووی وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیاھے، فیض القدیر5:374

[14]فتح القدیر113/5، تبصرۃالحکام لابن فرحون المالکی6221/2، حاشیۃالشبر املسی علی نھایۃالمحتاج22/8، کشاف القناع159/6، المدخل الفقھي العام لمصطفی الزرقاء627/2، التشریع الجنائی الاسلامی لعبدالقادر العودۃ705/1

[15]الطرق الحکمیہ ص316

[16]معالم القریۃ ص287

[17]تبصرۃالحکام221/2

[18]التلخیص الحبیر160/2

[19]تدریب الراوی شرح تقریب266/1

[20]معالم القریۃ فی احکام الحسبۃ لابن الاخوۃ نقلا عن الغزالی ص288

[21]بخاری1654، مسلم2941، ابو داؤد1905، ابن ماجہ3074

[22]الموافقات للشاطبی10/2، اصول الفقہ لأبي زھرۃ367

[23]شرح الزرقانی علی المؤطا40/4، شرح القواعد الفقھیۃ لاحمد الزرقا ص113

[24]صحیح بخاری:2333، صحیح مسلم:5528

[25]النھایۃ فی غریب الحدیث، 136/3

[26]سنن ابن ماجہ، 2044، البیھقی، 356/7

[27]جامع العلوم و الحکم ص456

[28]مجمع الضمانات لابن غانم345/1

[29]غمز عیون البصائر للحموی، شرح الاشباہ و النظائر لابن نجیم466/1، حاشیۃ القلیوبی و عمیرۃ علی شرح المنھاج، 28/2اور98/4، المدخل الفقھی العام1044/2[30]مصنف عبد الرزاق، 18391

(5) اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں الحاد اور اس کی صورتیں

الشیخ خالد حسین گورایہ حفظہ اللہ

الحاد کے معنیٰ ہیں: کسی ایک طرف مائل ہونا۔ اسی سے لحد ہے جو اس قبر کو کہا جاتا ہے جو قبر کے گھڑے کے اندر ایک طرف بنائی جاتی ہے۔ دین میں الحاد اختیار کرنے کا مطلب کج روی اور گمراہی اختیار کرنا ہے"۔(تفسیر احسن البیان ص ۳۹۰ مطبوعہ دار السلام لاہور)

اسماء، اسم کی جمع ہے جس سے مراد: اللہ تعالیٰ کے وہ پیارے نام ہیں جو باری تعالیٰ نے خود اپنے لئے منتخب کئے ہیں اور اپنے رسول ﷺ اور کتابِ عظیم کے ذریعے کچھ ہمیں بھی بتلائے ہیں۔ اسی طرح صفات صفت کی جمع ہے جس سے مراد: اللہ تعالیٰ کی وہ بلند وبرتر صفات ہیں جن میں اس کا کوئی شریک نہیں جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَيۡسَ كَمِثۡلِهِۦ شَيۡءٞۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلۡبَصِيرُ

الشوریٰ–11

''اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے"۔

اہل سنت والجماعت کا اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے باب میں یہ عقیدہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے تمام ناموں اور تمام صفات پر حقیقی معنیٰ میں

بغیر تمثیل، بغیر تشبیہ، بغیر تکییف، بغیر تعطیل اور بغیر تحریف کئے ایمان لانا، جو نام اللہ نے خود ہمیں بتائے ہیں یا نبی کریم ﷺ نے بتائے ہیں جیسے استواء، نزول، ید وغیرہ۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ‌ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ

الشوریٰ-11

''اس جیسی کوئی چیز نہیں، وہ سننے اور دیکھنے والا ہے"یعنی کائنات میں اللہ جیسی کوئی چیز نہیں، نہ ذات میں نہ صفات میں۔ پس وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ واحد اور بے نیاز ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد کی صورتیں۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں اور صفات میں الحاد (کج روی) کی جملہ صورتیں ذیل کے سطور میں بیان کی جاتی ہیں۔

پہلی صورت: اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کسی نام یا اس سے ثابت ہونے والی صفت کا انکار کرنا۔ جیسا کہ اہلِ جاہلیت اللہ تعالیٰ کے نام مبارک "رحمٰن" کا انکار کیا کرتے تھے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اسۡجُدُوۡا لِلرَّحۡمٰنِ قَالُوۡا وَمَا الرَّحۡمٰنُ اَنَسۡجُدُ لِمَا تَاۡمُرُنَا وَزَادَهُمۡ نُفُوۡرًا

الفرقان-60

''ان سے جب بھی کہا جاتا ہے کہ رحمان کو سجدہ کرو تو جواب دیتے ہیں رحمان ہے کیا؟ کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کا تو ہمیں حکم دے رہا ہے اور اس (تبلیغ) نے ان کی نفرت میں مزید اضافہ کر دیا"۔

یا جیسا کہ بعض مبتدعہ نے اللہ تعالیٰ کا نام تو تسلیم کیا لیکن اس نام پر مشتمل صفت کا انکار کر دیا جیسا کہ بعض باطل فرقے کہتے ہیں "اللہ رحیم ہے بغیر رحمت کے اور سمیع ہے بلا سمع کے۔

دوسری صورت: اللہ تعالیٰ کے ناموں پر اپنی طرف سے اضافے کر لینا، یعنی اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے نام گھڑ لینا جس کی اجازت اللہ تعالیٰ نے نہیں دی۔ یہ الحاد اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسمائے عالیہ توقیفی (یعنی اللہ کی طرف سے متعین کردہ) ہیں۔ لہٰذا جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ ناموں جو اس نے اپنے لئے منتخب کئے ہیں انہیں چھوڑ کر اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نام گھڑ لیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ پر وہ بات کہتا ہے جس کا اسے علم نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ایسی بات کہنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ

الاعراف–33

آپ فرما دیجیے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو اعلانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کی بات کو ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اس بات کو کہ اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات نہ لگا دو جس کو تم جانتے نہیں۔

جیسا کہ بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو لفظ "خدا" "گوڈ" یا فلاسفہ نے علۃ الفاعلہ اور عیسائیوں نے "الاب" (والعیاذ باللہ) کا نام اللہ کیلئے متعین کیا ہے۔

تیسری صورت: اللہ تعالیٰ کے ناموں میں تبدیلی کر دینا جیسا کہ مشرکین نے کیا کہ اللہ کے ذاتی نام سے اپنے بت کا نام "لات" رکھ لیا اور اس کے صفاتی ناموں عزیز سے "عزیٰ" اور "المنان" سے "مناۃ" بنا لیا۔

اس کے الحاد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے نام اسی کی ذات کیلئے خاص ہیں۔ لہذا انہی معنوں میں اللہ کے وہ نام مخلوق کیلئے استعمال کرنا کہ اس کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جانے لگے۔ یہ الحاد (کج روی) ہے۔

فرمان باریٰ تعالیٰ ہے:

رَّبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا

مریم–65

"آسمانوں کا، زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب وہی ہے تو اسی کی بندگی کر اور اس کی عبادت پر جم جا۔ کیا تیرے علم میں اس کا ہم نام ہم پلہ کوئی اور بھی ہے؟"۔

چوتھی صورت: اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کمی کر دی جائے۔ مثلاً: اسے کسی ایک ہی مخصوص نام سے پکارا جائے اور دوسرے صفاتی ناموں سے پکارنے کو برا سمجھا جائے۔

پانچویں صورت: اللہ کے ناموں اور صفات میں الحاد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان میں تاویل، تعطیل، یا تشبیہ سے کام لیا جائے۔

تاویل: اس طرح کہ جیسا کہ بعض مبتدعہ کہتے ہیں کہ "ید اللہ" سے مراد قوت ہے اور "استواء" کا مطلب غلبہ ہے۔ اللہ کو ہر جگہ ذات کے اعتبار سے حاضر سمجھتے ہیں۔ اور تعطیل سے مراد کلی انکار ہے۔ تشبیہ سے مراد مخلوق کی صفات

چھٹی صورت: یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ نام یا صفات ایسی ہی ہیں جیسا کہ مخلوق کی صفات۔ جیسا کہ بعض مبتدعہ نے یہ کہا کہ اللہ کا ہاتھ مخلوق کے ہاتھ کی طرح ہے۔ اس کا استواء و نزول مخلوق کے نزول و استواء کی طرح ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ساتویں صورت: اللہ تعالیٰ کی صفات میں پائے جانے والے معنیٰ و مفہوم کو مخلوق کیلئے بھی استعمال کرنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ مخلوق بھی اس صفت کی مالک

ہے جیسا کہ اللہ۔ مثال کے طور پر ہمارے معاشرے میں عام طور پر رائج ہے کہ لوگ اپنے پیروں اور بزرگوں کو ان صفات سے متصف کرتے ہیں جو ان معنیٰ میں محض اللہ تعالیٰ کیلئے استعمال ہوتی ہیں۔

مثلاً: جیسا پیر عبد القادر جیلانی کو غوث اعظم اور دست گیر کہا جاتا ہے ۔ علی ہجویری کو داتا، گنج بخش کہا جاتا ہے، خواجہ معین الدین چشتی کو غریب نواز کہا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

یہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اب آیئے دیکھتے ہیں کہ ان القابات اور صفات کا جو غیر اللہ کیلئے استعمال کی گئی ہیں حقیقۃ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔

آیئے دیکھتے ہیں ان کا معنیٰ و مفہوم کیا ہے؟

غوث اعظم سے مراد: سب سے بڑا فریاد سننے والا

اب قرآن کریم کی روشنی میں ملاحظہ کریں کہ سب سے بڑا فریاد سننے والا کون ہے؟

فرمان باری تعالیٰ ہے:

أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ

النمل–62

’’بھلا کون ہے جو لاچار کی فریاد رسی کرتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور اس کی تکلیف کو دور کر دیتا ہے اور (کون ہے جو) تمہیں زمین کے جانشین بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے؟ تم لوگ تھوڑا ہی غور کرتے ہو۔‘‘

دست گیر: کا معنیٰ ہے مصیبت کے وقت تھامنے والا۔ یہ اللہ کی صفت ہے

فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

یونس–12

’’اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں اپنے پہلو پر یا بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہر حالت میں پکارتا ہے پھر جب ہم اس سے وہ تکلیف دور کر دیتے ہیں تو ایسے گزر جاتا ہے جیسے اس نے تکلیف کے وقت ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ ایسے حد سے بڑھے ہوئے لوگوں کو وہی کام اچھے معلوم ہونے لگتے ہیں جو وہ کرتے ہیں۔‘‘

داتا سے مراد: سب کچھ دینے والا

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

مَّا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِن رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۖ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِن بَعْدِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

فاطر–2

’’اللہ اگر لوگوں کے لئے اپنی رحمت (کا دروازہ) کھول دے تو اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جسے وہ بند کر دے تو اس کے بعد اسے کوئی کھولنے والا نہیں۔ اور وہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے‘‘۔

نیز ایک اور آیت میں فرمایا:

لِّلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ ﴿٤٩﴾ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا ۖ وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَقِيمًا ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ

الشوریٰ–49/50

’’آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے جسے چاہے بیٹے دیتا ہے۔ یا انہیں جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔

گنج بخش: سے مراد خزانے بخشنے والا۔

یہ صفت بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے لیکن اسے مخلوق میں چند پیروں کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ

المنافقون–7

’’اور آسمان وزمین کے خزانے اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں لیکن یہ منافق بے سمجھ ہیں‘‘۔

نیز فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

آل عمران–37

’’بلاشبہ اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے‘‘۔

غریب نواز سے مراد: غریبوں کو نوازنے والا۔

غریبوں کو نوازنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

فرمان باریٰ تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ

فاطر–15

’’لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور وہ (ہر چیز سے) بے نیاز اور حمد کے لائق ہے۔‘‘

یعنی سب سے بڑا مدد کرنے والا، مشکل میں ہاتھ تھامنے والا، دینے والا، غریبوں کو نوازنے والا یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال ہیں۔ مخلوق کیلئے ان کا استعمال شرک بھی ہے اور الحاد بھی۔

(6) جادو جنات سے بچیں

(1) جادو کرنا اور کروانا حرام ہے:

فرمان باری تعالی ہے:

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ

البقرۃ-102

" اور اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین (حضرت) سلیمان کی حکومت میں پڑھتے تھے۔ سلیمان نے تو کفر نہ کیا تھا، بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا، وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے"۔

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جادو حرام ہے نیز جادو شریعت محمدیہ ہی میں نہیں بلکہ تمام ادیان میں حرام ہے]. 2[

فرمان نبوی ﷺ ہے:

اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ۔۔۔۔ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَالسِّحْرُ

' تباہ کرنے والی سات چیزوں سے بچو! اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے اور جادو کرنے سے "۔]3[

(2) جادو کرنے والے کا حکم:

الف: اگر جادو جنات و شیاطین کے ذریعے سے کیا جائے اور جادو سیکھتے، سکھاتے ہوئے جنات و شیاطین کے تقرب کے حصول کے لیے ان کی عبادت کی جائے تو یہ اللہ تعالی کے ساتھ شرک ہے۔

ب: اگر جادو دوائیوں اور جڑی بوٹیوں کے ذریعے سے کیا جائے تو یہ ظلم و زیادتی اور کبیرہ گناہ کے زمرے میں آئے گا۔]4[

(3)جادوگر کی سزا:

الف: ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا پر ان کی باندی نے جادو کیا تھا لہذا اُم المؤمنین نے (بطور سزا) اسے قتل کرنے کا حکم دیا تو اسے قتل کر دیا گیا۔]5[

ب: سیدنا بجالہ بن عبدۃ سے مروی ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے ایک برس پہلے انیس کو یہ خط لکھا کہ "ہر جادوگر کو قتل کر دیا جائے، تو ہم نے (ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے) تین جادوگروں کو قتل کر دیا۔]6[

ج: جندب الخیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حد الساحر ضربۃ بالسیف

" جادوگر کی سزا قتل ہے]' ' 7[

جادو کروانے کے مقاصد:

جادو کرنے یا کروانے کے بنیادی مقاصد میں سے تین مندرجہ ذیل ہیں:

الف: میاں بیوی میں لڑائی جھگڑا کروا کر ان کو ایک دوسرے کے لیے اتنا ناپسندیدہ کر دینا کہ نفرت کی انتہاء ہو جائے تاکہ خاوند اور بیوی میں علیحدگی ہو جائے۔

فرمانِ باری تعالی:

فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ

البقرۃ–102

' 'پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے خاوند و بیوی میں جدائی ڈال دیں"۔

ب: مالی اعتبار سے کسی کو نامستحکم کرنا:

اکثر اوقات احباب اس بات کی شکایت کرتے ہیں کہ نامعلوم طریقے سے ان کے زیورات یا نقدی گم ہو جاتی ہے، یا پھر ان کے کاروبار میں بندش ہے

جہاں ان پر پریشانیوں کے دیگر امکانات ہیں وہاں یہ امکان بھی قابل غور ہے کہ شاید کسی شیطان جادوگر یا اس کے کسی چیلے کی کارستانی ہو گی۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں صدقہ فطر (کے گلے) کی نگرانی کے لیے مقرر فرمایا تو شیطان ایک آدمی کی شکل میں مسلسل تین دن تک گلہ چوری کرنے کے لیے آتا رہا۔]8[

ج: پریشان اور خوفزدہ کرنا:

فرمان باری تعالی ہے:

قَالَ بَلْ أَلْقُوا۟ ۖ فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ﴿٦٦﴾ فَأَوْجَسَ فِى نَفْسِهِۦ خِيفَةً مُّوسَىٰ ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنتَ ٱلْأَعْلَىٰ

طٰہٰ-68/67/66

" اب تو موسیٰ (علیہ السلام) کو یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں ان کے جادو کے زور سے دوڑ بھاگ رہی ہیں۔ پس موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے دل ہی دل میں ڈر محسوس کیا۔ ہم نے فرمایا کچھ خوف نہ کر یقیناً تو ہی غالب اور برتر رہے گا۔"

یہ خوفزدگی اور پریشانی صرف موسیٰ علیہ السلام کے لیے نہیں تھی بلکہ تمام حاضرین اس جادوئی تاثیر کی وجہ سے گھبراہٹ اور بے چینی سے دوچار ہو گئے تھے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَلَمَّآ أَلْقَوْا۟ سَحَرُوٓا۟ أَعْيُنَ ٱلنَّاسِ وَٱسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَآءُو بِسِحْرٍ عَظِيمٍ

الاعراف-116

" پس جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور ایک طرح کا بڑا جادو دکھایا۔"

مندرجہ بالا آیات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے جادو کی وجہ سے انسانی طبیعت پہ جو ناگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں ان میں سے

ایک خوف زدہ ہونا اور دوسرا اشیاء کا خوفناک چیزوں کا روپ دھار کر خلاف حقیقت نظر آنا بھی ہے لہذا اگر کوئی عالم بیماری میں اس بات کا اظہار کرے کہ اسے خوف محسوس ہوتا ہے یا پھر خوفناک چہرے اور ڈراؤنی چیزیں نظر آتی ہیں تو اس کی تردید کرنے کی بجائے اس کی پریشانی کو سمجھنے کی کوشش کریں بلکہ اگر ہو سکے تو اس کے غم میں شریک ہو کر اس کی تکلیف کو کم کرنے کی کوشش کریں۔

5جادو کی اقسام:

جادو کی بنیادی دو قسمیں ہیں ان کا تذکرہ کرنے کے بعد ہم بقیہ ذیلی اقسام کا بھی تذکرہ کریں گے۔

أ: نظر کا دھوکہ:

جادو کی اس قسم میں انسان کی نظروں کو دھوکا دیا جاتا ہے جس میں حقیقی طور پر تو انسان متاثر نہیں ہوتا مگر انسان کے تخیلات پر گہرا اثر ہوتا ہے اور اشیاء اپنی اصل ماہیت بدل کر خوفناک شکل دھار لیتی ہیں اور اچھا بھلا ذی شعور، بہادر آدمی خوفزدہ ہو جاتا ہے، جیسا کہ فرعون کے جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرتے وقت لوگوں اور موسیٰ علیہ السلام کے تخیل پر اثر انداز ہو کر اسی جادو کے زور سے لاٹھیوں اور رسیوں کو سانپوں کی شکل میں تبدیل کر دیا جس سے عام لوگ تو ڈرے ہی ڈرے وقتی طور پر موسیٰ علیہ السلام بھی گھبرا گئے۔

شعبدہ بازی اور ہاتھ کی صفائی بھی اسی قبیل سے ہے، لوگوں کی دھوکہ دہی کے لئے اس طرح کے کرتب اور کرشمے کوئی شخص بھی سیکھ سکتا ہے، حتیٰ کہ اب تو مختلف قسم کے کرتب اور شعبدے سیکھنے کی بہت سی کتب بھی مارکیٹ میں دستیاب ہیں، جادو کی اس قسم کو "مجازی" بھی کہا جاتا ہے[9]۔

ب: کسی انسان کو حقیقتاً متاثر کرنا:

اس قسم میں انسان کو تکلیف دی جاتی ہے جس کے اثرات بدا اپنی ذات میں واضح طور پر محسوس کرتا ہے، اسے بیمار کہا جاتا ہے، ڈرایا بھی جا سکتا ہے، جسم کے کسی حصے میں مستقل درد شروع ہو جاتا ہے جو ڈاکٹر حضرات کی سمجھ سے بالاتر ہوتا ہے حتیٰ کہ انسان کی موت بھی واقع ہو جاتی ہے اور اس سارے عمل کے لیے ارواح خبیثہ اور جنات و شیاطین کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔]10[

اس جادو میں انسان کو دو طرح سے تکلیف دی جا سکتی ہے

1 چمٹ کر:

فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ

البقرة-275

" جو لوگ سود کھاتے ہیں۔ وہ یوں کھڑے ہوں گے۔ جیسے شیطان نے کسی شخص کو چھو کر اسے مخبوط الحواس بنا دیا ہو۔"

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی شرح میں لکھتے ہیں:

لا يقومون من قبورهم يوم القيامة إلا كما يقوم المصروع حال صرعه وتخبط الشيطان له

' 'سود خور روز قیامت اپنی قبروں سے یوں کھڑے ہوں گے جیسے مرگی زدہ اس وقت کھڑا ہوتا ہے جب شیطان اسے چھو کر پاگل بنا دیتا ہے"۔]11[

اس صورت میں شیطان اور جن وغیرہ انسانی جسم پر قبضہ حاصل کر کے اسے اس حد تک خبطی بنا دیتا ہے کہ انسان کا خود پر بھی کوئی اختیار نہیں رہتا اور وہ دیوانگی میں ایسی حرکات کا ارتکاب کرتا ہے جن کا تندرستی میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا پھر جب اسے اس تکلیف سے نجات ملتی ہے اور اسے ان حرکات کا بتایا جاتا ہے جو اس سے عالم دیوانگی میں سرزد ہوئی ہیں تو سرے سے اس کا انکار کر دیتا ہے کہ اس نے ایسا کچھ کیا ہے۔

سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے طائف کا گورنر مقرر کیا تو مجھے یوں لگتا کہ نماز میں کوئی چیز چہرے کے سامنے آتی ہے جس کی وجہ سے مجھے یہ علم نہیں رہتا کہ میں نے نماز میں کیا پڑھا ہے؟ تو جب میں نے ایسا محسوس کیا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف رخت سفر باندھا میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! نمازوں میں کوئی چیز میرے سامنے آجاتی ہے اور مجھے علم نہیں رہتا کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ شیطان ہے، ذرا قریب آؤ" میں آپ کے قریب ہو کر اپنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ میرے سینے پر ضرب لگائی اور دم کر کے میرے منہ پر پھونکا اور فرمایا: "اُخرج عدو اللہ" اے اللہ کے دشمن نکل جا۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ ایسا کہا، پھر فرمایا: "جاؤ اپنی ذمہ داری انجام دو" سیدنا عثمان فرماتے ہیں کہ پھر مجھے یہ شکایت نہ رہی[12]۔

اس پریشانی سے بچنے کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ ہم ہر اس کام سے گریز کریں جس کی وجہ سے شیطان ملعون ہمارے رگ و پے میں سرایت کر کے ہمیں تکلیف اور پریشانی سے دوچار کرتا ہے اور ان حالات میں جن میں شیطان انسانی جسم کا کنٹرول حاصل کر لیتا ہے ان سے بچیں، ذیل میں ان حالات کا اجمالی تذکرہ پیش خدمت ہے جن میں انسان آسیب زدگی میں مبتلاء ہو سکتا ہے۔

(1) سخت غصے کی حالت

(2) سخت خوف کی حالت

(3) سخت غفلت کی حالت

(4) انتہائی خوشی کی حالت

(5) حرام طریقے سے شہوت رانی کی حالت

(6) عمداً یا لاشعوری طور پر جنات کو تکلیف پہنچانا [13]

آسیب زدگی کے بعض اسباب:

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اکثر یہ چیزیں بغض اور بدلہ لینے کے سبب بھی ہوتی ہیں، مثال کے طور پر اگر جنوں کو کوئی انسان تکلیف پہنچا دے یا انہیں بدگمانی ہو جائے کہ فلاں انسان نے عمداً ان کو تکلیف پہنچائی ہے یا پہنچا رہا ہے، خواہ ایسا ان میں سے کسی پر پیشاب کرنے کی صورت ہو یا ان پر یا ان کی اولاد میں سے کسی پر گرم پانی پھینکے یا ان میں سے کسی کو قتل کرنے کی شکل میں ہو، حالانکہ وہ انسان اس بات سے سرے سے لاعلم ہی ہو، چونکہ ان میں جہالت کے ساتھ ظلم کرنے کا مزاج بھی ہوتا ہے اسی لیے اکثر وہ اس انسان کو جس سزا کا مستحق سمجھتے ہیں سزا دینے لگ جاتے ہیں، کبھی جنوں کی طرف سے یہ شر بلاوجہ بھی ہوتا ہے۔ [14]

2 چمٹے بغیر:

اس صورت میں جنات وغیرہ انسان کو مختلف اذیتیں پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں، مثلاً کبھی انسان کی اشیاء چوری ہو جاتی ہیں تو کبھی اسے وسوسوں کے ذریعے مختلف اوہام میں مبتلاء کر کے وہمی بنا دیا جاتا ہے اور کبھی انسان کو یہ محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی اس کا گلا دبانے کی کوشش کر رہا ہے یا پھر ڈراؤنے خواب آنا شروع ہو جاتے ہیں۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقد جعل اللہ للشیطان دخولاً فی جوف العبد ونفوذاً إلی قلبه وصدره، فهو یجری منه مجری الدم، وقد وکل بالعبد فلا یفارقه إلی الممات

" اللہ تعالیٰ نے شیطان کو بندے کے جسم اور دل میں داخلے کی قوت وطاقت دے رکھی ہے، جو کہ اس کے جسم میں خون کی مانند چلتا ہے، اللہ تعالیٰ

نے اسے ہر انسان کے ساتھ نتھی کر دیا ہے، موت تک اس سے الگ نہیں ہوتا"۔[15]

ا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے جب وسوسوں کی شکایت کی تو نبی ﷺ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

ذاک صریح الایمان

" یہی اصل ایمان ہے"۔

وسوسوں کے متعلق فرمان باری تعالی ہے:

الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ

الناس۔6/5

" جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے، (خواہ وہ) جنات سے (ہو) یا انسانوں میں سے"۔

شیاطین الجن کو اللہ تعالی نے انسانوں کو گمراہ کرنے کی قدرت دی ہے علاوہ ازیں ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اس کا ساتھی ہوتا ہے جو اس کو گمراہ کرتا رہتا ہے۔[16]

وسوسے کے ذریعے سے شیطان مردود ہنستے بستے گھر اجاڑ دیتا ہے بھائی بھائی کے متعلق بدگمانی کا شکار ہوتا ہے توماں کا بیٹی، باپ کا بیٹوں پر اعتماد قائم نہیں رہتا اور تواور بسا اوقات یہ شکوک وشبہات میاں بیوی کے درمیان اس قدر زور پکڑ جاتے ہیں کہ یہ مثالی محبت کا رشتہ تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کچا دھاگہ ثابت ہوتا ہے اور آن واحد میں اس پائیدار محبت کے تار و پو بکھر جاتے ہیں۔

لوگ وسوسوں کی لپیٹ میں آکر اپنے ہاتھوں سے اپنا گلشن آگ کے حوالے کر بیٹھتے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اپنی طبیعت کو شگفتہ رکھا کریں، فوری اقدام کی بجائے مثبت انداز میں سوچتے ہوئے بات کو آگے بڑھایا جائے اور اگر فریق ثانی زیادہ غیض وغضب کا مظاہرہ کرے تو اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی

بجائے خاموشی اختیار کر کے بات کو مناسب انداز میں ختم کر دیا جائے، یہاں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ وسوسوں سے گھبراہٹ میں مبتلا ہونے کی بجائے نبوی تعلیمات کے ذریعے ان کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ وسوسوں کا آنا انسان کے ایمان کی دلیل ہے، شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کتاب الایمان میں اسی موضوع کے حوالے سے رقمطراز ہیں: "طالب علم اور عبادت گزار لوگوں کو ایسے وسوسے اور شبہات آتے ہیں جو دوسرے لوگوں کو پیش نہیں آتے کیونکہ دوسرے لوگ تو اللہ تعالی کی شریعت اور اس کے راستے پر چلتے ہی نہیں ہیں بلکہ وہ تو اپنے رب سے غافل ہو کر خواہشاتِ نفس کے پجاری بن گئے ہوتے ہیں اور یہی شیطان کا مطلوب و مقصود ہے، لیکن اس کے برعکس جو لوگ علم و عبادت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، شیطان ان کا دشمن ہے اور وہ انہیں اللہ تعالی سے دور لے جانا چاہتا ہے[17]۔

لہٰذا جب بھی کسی کو پریشان کُن خیالات ستائیں تو لاپرواہی یا بے احتیاطی کی بجائے ان شیطانی وساوس کو دور کرنے کی فکر کرنا چاہیے، ذیل میں ان چند باتوں کی تذکرہ کیا جاتا ہے کہ جن کے ذریعے انسان وسوسوں سے باآسانی چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے۔

1 وسوسوں کی طرف بالکل دھیان نہ دیا جائے۔

2 اگر وساوس زیادہ ستائیں تو اہل علم کی طرف رجوع کیا جائے۔

3 سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی بکثرت تلاوت کی جائے۔

4 ایسے تمام خواتین و حضرات کی مجلس نشینی سے گریز کیا جائے جو اپنے ناز و انداز سے انسان کے دل میں وسوسے ڈالتے ہیں کیونکہ جس طرح شیطان وسوسے ڈالتا ہے انسان بھی اس بری حرکت کا مرتکب ہو سکتا ہے۔

جادو کی دیگر اقسام:

1 : علم نجوم: فرمان نبوی ﷺ ہے:

مَنِ اقْتَبَسَ عِلْمًا مِنَ النُّجُومِ، اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ السِّحْرِ زَادَ مَا زَادَ

'' جس نے علم نجوم سیکھا اس نے جادو کا ایک حصہ سیکھ لیا، پھر جتنا زیادہ علم نجوم سیکھتا جائے گا اسی قدر جادو میں اضافہ ہوتا جائے گا"۔]18[

عام طور پر ہمارے معاشرے میں جاہل لوگ ستارہ شناس حضرات کو بڑی حیرت واستعجاب سے دیکھ کر متاثر ہوتے ہیں اور ان کی شیطانی خبروں کو سن کر بڑی عقیدت کا مظاہرہ کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ نجومی حضرات کی اپنی زندگی انتہائی غیر مطمئن اور گھٹن زدہ ہوتی ہے، محترم ڈاکٹر صفدر محمود صاحب اسی حوالے سے لکھتے ہیں:

'' علم نجوم یا علم جفر کا ماہر ہونا بعض اوقات انسان کے لیے عذاب اور وبال کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ طویل عرصہ قبل میں اپنے بے تکلف دوست چوہدری سردار محمد آئی جی پولیس پنجاب کے دفتر میں بیٹھا تھا تو ان سے ملنے ان کا ایک دیرینہ شناسا آیا جس کا تعلق سرگودھا کے کسی دیہات سے تھا، اس کے نام کی چٹ دیکھ کر جب چوہدری صاحب نے اسے اندر بلایا تو مجھے بتایا کہ یہ ملاقاتی علم نجوم اور علم جفر کا ماہر ہے اور جو کچھ بتاتا ہے صحیح نکلتا ہے، وہ شخص آیا اور کرسی پر بیٹھ کر دو چار باتیں کرنے کے بعد رونے لگا، چوہدری صاحب نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ "چوہدری صاحب میں آپ سے آخری دفعہ ملنے آیا ہوں، میرے حساب کے مطابق میں اپنے آپ کو چند دنوں کے بعد دنیا میں نہیں دیکھتا، میرا دانہ پانی ختم ہو چکا ہے، کوئی پانچ چھ روز بعد چوہدری صاحب نے مجھے بتایا کہ اس شخص کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس طرح کے بہت سے واقعات کا میں عینی شاہد ہوں کہ کسی پامسٹ، علم نجوم کے ماہر نے جو کچھ بتایا وہ صحیح نکلا لیکن یاد رکھیں یہ نہ ہی روحانیت ہے اور نہ ہی اولیاء کرام کا وطیرہ ''

]19[

علم نجوم بھی جادو کی اقسام میں سے ایک قسم ہے جس میں نجومی حضرات چاند ستاروں کی گردش وغیرہ سے زمینی حوادث اور دیگر امور کی پیشین گوئیاں کرتے ہیں مثلاً کبھی وہ کہیں گے کہ اگر فلاں ستارہ طلوع ہوا تو کسی کی موت ہوگی یا خشک سالی یا بارش وبرسات کا سلسلہ ہوگا، اور اگر فلاں ستارہ فلاں وقت میں نمودار ہوا تو اشیاء مہنگی یا سستی ہوجائیں گی۔]20[

بنیادی طور پر نجومیوں کا علم اور ان کے دعوے چار نکات میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔

(1) اٹکل پچو

(2) علم غیب کا دعویٰ

(3) کہانت اور جادو سے مدد

(4) چالاکیاں اور تضاد بیانیاں]21[

علم نجوم کا حکم:

اگر اس علم سے غیب دانی کا دعویٰ مقصود ہو اور حوادث زمانہ اور تغیرات ارضی کے وقوع پذیر ہونے کا دعویٰ کیا جائے تو یہ حرام اور کفر ہے، کیونکہ اس میں دعویٰ غیب ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی غیب کا علم نہیں ہے، اور اگر اس کے سیکھنے سکھانے کا مقصد سورج کا طلوع وغروب ہونا اور زوال وغیرہ یا قبلہ وکعبہ کا تعین ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے[22]۔

2 گرہوں میں پھونکنا:

فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمِن شَرِّ النَّفَّٰثَٰتِ فِي الْعُقَدِ

الفلق–4

’’اور گنڈوں پر (پڑھ پڑھ کر) پھونکنے والیوں کی برائی سے‘‘۔

گرہ میں پھونک مارنے کا کام عموماً جادوگر کیا کرتے ہیں اور جو لوگ موم کے پتلے بنا کر اس میں سوئیاں چبھوتے ہیں اور کسی کے بال حاصل کر کے ان میں گرہیں لگا تے ہیں، اور پھونکیں مارتے ہیں سب جادوگروں کے حکم میں داخل ہیں اور ہمارے ہاں ایسے لوگوں کو جادوگر نہیں بلکہ عامل کہا جاتا ہے]23[

اس سے مراد جادو کا کالا عمل کرنے والے مرد و عورت دونوں ہیں]24[

ان کے شر سے خاص طور پر پناہ مانگنے کی تلقین اس لیے کی گئی ہے کہ وہ چھپ کروار کرتے ہیں، انسان کو خبر ہی نہیں ہوتی کہ اسے تکلیف کیوں ہے وہ بیماری سمجھ کر علاج معالجہ میں لگا رہتا ہے اور تکلیف بڑھتی جاتی ہے۔]25[

حکم:

یہ صریح کفر ہے۔]26[

3۔جادو بیانی:

فرمان نبوی ﷺ ہے:

إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا

"بعض بیان جادوئی تاثیر رکھتے ہیں"۔]27[

اسے جادو اس لیے کہا گیا ہے کہ کیونکہ گفتگو کا انداز بھی جادوگر کی طرح دل پر کنٹرول حاصل کر لیتا ہے] 28[

جادو کی اس قسم کو "عطف" اور "صرف" بھی کہا جاتا ہے]29[

حکم:

اگر کوئی اس خوبی کو دینِ حق کی ترویج واشاعت اور دعوت و تبلیغ کے لیے استعمال کرے تو یہ قابل تعریف بلکہ اس کا استعمال لازمی اور ضروری ہے لیکن اگر اس کا استعمال حق کی تردید اور جھوٹ کو سچا بنا کر پیش کرنے میں ہو تو بلاشبہ یہ حرام اور ممنوع ہے۔

4-چغل خوری:

احادیث میں چغل خور کے لیے دو لفظ استعمال ہوئے ہیں۔

الف۔ قتّات

ب۔ نمّام

قتات اس چغل خور کو کہتے ہیں جو کن سوئیاں لیتا ہے۔]30[

اور نمام اس چغل خور کو کہتے ہیں جو لوگوں کے درمیان لڑائی جھگڑا کروانے کے لیے غیبت کرتا ہے۔]31[

شریعت اسلامیہ نے دونوں طرح کی غیبت کی ممانعت کی ہے مگر قرآن کریم میں "نمام" کے متعلق بہت سخت لفظ استعمال کیے گئے ہیں جس سے اس کی برائی اور شناعت واضح ہوتی ہے، فرمان باری ہے:

وَلَا تُطِعۡ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ، هَمَّازٍ مَّشَّآءِۢ بِنَمِيمٍ، مَّنَّاعٍ لِّلۡخَيۡرِ مُعۡتَدٍ أَثِيمٍ

"اور کسی ایسے شخص کے کہے میں نہ آجانا جو بہت قسمیں کھانے والا ذلیل اوقات ہے، طعن آمیز اشارتیں کرنے والا چغلیاں لیے پھرنے والا"۔]32[

فرمان نبوی ﷺ ہے:

أَلَا أُنَبِّئُكُمْ مَا الْعَضْهُ؟ هِيَ النَّمِيمَةُ الْقَالَةُ بَيْنَ النَّاسِ

"کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ سخت قبیح چیز کیا ہے وہ چغلی ہے جو لوگوں کے درمیان نفرت اور دشمنی پھیلاتی ہے"۔]33[

اس کو جادو اس لیے کہا گیا ہے کہ چغل خور کا مقصد بھی جادوگر کی طرح غلط فہمیاں پھیلا کر دوستوں اور پیاروں کے درمیان تفریق کروانا ہے بلکہ لڑائی جھگڑا کروانے میں چغل خور جادوگر سے بھی دو ہاتھ آگے ہے کیونکہ جادوگر کو لوگوں کے درمیان لڑائی جھگڑا اور فساد کروانے میں بہت سارے شرکیہ اور گندے مراحل طے کرنے پڑتے ہیں پھر کہیں جا کر وہ ایسا عمل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے جس کا نتیجہ بغض وعداوت اور احباب میں علیحدگی ہے

مگر لگائی بجھائی کا ماہر یہ چغل خور چند لمحوں میں ایسی فسوں کاری کرتا ہے کہ ہنستا بستا گھر اس کی اس خباثت اور شیطانی کی وجہ سے چند لمحوں میں اجڑ جاتا ہے، اسی لیے امام یحیٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

یفسد النمام والکذاب فی ساعۃ مالا یفسد الساحر فی سنۃ

''چغل خور اور جھوٹا شخص ایک لمحے میں وہ فساد بپا کرادیتا ہے جو فساد جادوگر پورا سال لگا کر نہیں کر سکتا''۔]34[

حکم: ''یہ حرام اور کبیرہ گناہ ہے]' 35[

جادو کروانے کا سبب؟

اس کا ایک ہی سبب حسد ہے، حاسد کسی کی خوبی، مال و دولت، حسن و جمال یا ترقی برداشت نہیں کر سکتا لہذا جب محسوس کرتا ہے کہ خوبیاں اس کی قوت برداشت سے باہر ہو جاتی ہیں تو وہ انتہائی قدم اٹھاتے ہوئے اس شخص پر جادو کروا دیتا ہے جس سے اسے حسد ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ

الفلق-5

''اور حسد کرنے والے کی برائی سے جب حسد کرنے لگے''۔

یہودی لوگ یہ جانتے ہوئے بھی کہ محمد ﷺ رسول برحق ہیں، ایمان نہ لائے تو اس کا باعث بھی یہی حسد تھا۔ اور یہی حسد تھا جس کی بنیاد پر انہوں نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کر دیا۔ گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر کے پیچھے بھی عموماً حسد ہی کا جذبہ چھپا ہوتا ہے، اس لیے ان کے شر کے بعد حاسد کے شر سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی۔]36[

حاسد کے شر سے کیسے بچیں:

حاسد کے شر اور شرارت سے بچنے کا ایک طریقہ تو اللہ رب العالمین نے سورۃ فلق میں بتا دیا ہے کہ انسان حاسد کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے اس کے علاوہ بھی کچھ طریقے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں جو کہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ سے منقول ہیں۔

1 اللہ پر کامل بھروسہ رکھا جائے کہ جب تک اللہ نہ چاہے گا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

2 حاسد کی کڑوی کسیلی اور تلخ باتوں پر صبر کیا جائے اور اس کی ذہنی حالت پر افسوس کرتے ہوئے اس کے خلاف کسی قسم کی کاروائی سے مکمل گریز کریں۔

3 تقویٰ کے زیور سے آراستہ رہیں۔

4 حاسد کی فکر سے اپنے دل کو خالی رکھیں اور اس کے متعلق بالکل نہ سوچیں، اسے ایسے نظر انداز کریں کہ گویا وہ ہے ہی نہیں۔

5 حاسد کو اگر کسی معاملے میں آپ کی مدد کی ضرورت پیش آئے تو دل کھول کر اس کا تعاون کریں (یہ سب سے عمدہ علاج ہے)

6 صدقہ وخیرات اور نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں کیونکہ صدقہ وخیرات اور خدمت خلق کرنے سے اللہ تعالی انسان کی مشکلات دور کر دیتا ہے۔

7 عقیدہ توحید پر کاربند رہیں اور شرک وبدعت سے خود کو اور اپنے اہل خانہ کو بچائے رکھیں]37[

حسد کا علاج:

حسد ایک ایسی بیماری ہے کہ جس سے شاید ہی کوئی محفوظ ہو، ہر انسان کے دل میں کسی سے متعلق حاسدانہ خیالات جنم لیتے رہتے ہیں، بعض سلف کا قول ہے:

لایخلو جسد من حسد ولکن اللئیم یبدیہ والکریم یخفیۃ

''کوئی جسم بھی حسد سے خالی نہیں صرف فرق یہ ہے کہ گھٹیا انسان (اپنی حرکتوں سے) اسے ظاہر کر دیتا ہے اور شریف آدمی اسے چھپالیتا ہے''۔[38]
اگر کسی کے دل میں کسی کے بارے میں حسد جیسے برے خیالات ہیں اور وہ واقعی میں اپنی اصلاح کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ مندرجہ ذیل دو باتوں کو حرز جاں بنالے اللہ کی رحمت سے بڑی امید ہے کہ یہ دو ضابطے اس کی زندگی میں مثبت تبدیلی لانے کا باعث ہوں گے اور وہ بھی خوش و خرم زندگی گزارے گا۔
1 قناعت کرنا سیکھیں اور اس بات پہ مکمل یقین رکھیں کہ اللہ تعالی نے جو ہمیں عطا کیا ہے وہ ہماری اوقات سے بڑھ کر ہے اور جو ہمیں نہیں دیا اس کا نہ ملنا ہی ہمارے حق میں بہتر ہے۔
2 ایسا انسان جو حسد کی بیماری میں مبتلا ہے اسے چاہیے کہ وہ حسد کے گناہ اور نقصانات کے بارے میں مسلسل سوچے اور دیکھے کہ اس میں کہیں وہ یہودیوں کی مشابہت تو نہیں کر رہا؟ اور یہ بھی کہ حسد کرنا تو اللہ تعالی پر اعتراض ہے گویا حاسد زبان حال سے اللہ تعالی پر اعتراض کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اللہ کی تقسیم معاذ اللہ غلط ہے اور اس نعمت کا حقدار وہ انسان نہیں بلکہ میں ہوں[39]۔
حاسد کی علامات:
-1 محسود کو دیکھتے ہی حاسد کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے اور اس کا ہنستا خوشگوار چہرہ یک لخت تاریک ہو جاتا ہے۔
-2 حاسد شخص ہمیشہ اللہ کی تقدیر سے نالاں اور برہم رہتا ہے۔
-3 حاسد اگر پوری دنیا کے خزانوں کا مالک بن جائے تب بھی شکوہ ہی کرتا رہے گا اور اللہ بچائے کہ وہ اللہ کا شکر کم ہی ادا کرتا ہے۔
-4 حاسد جس سے حسد کرتا ہے اس کی غلطیوں اور کوتاہیوں کی تلاش میں رہتا ہے اور انہیں مجالس میں بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے۔

5-محسود کی خوبیوں اور اچھائیوں کو چھپاتا ہے ان کے بارے میں جان بوجھ کر انجان بنا رہتا ہے اور لوگوں میں انہیں معمولی بنا کر پیش کرتا ہے۔

6-حاسد زیادہ دیر تک خاموش نہیں رہ سکتا وہ محسود کے کلام کا جواب تو ہنستے ہوئے مزاحیہ انداز میں دیتا ہے لیکن اس کے دل کا بھرپور کینہ اور بغض اس کی نظروں سے واضح ہوتا ہے۔

7-حاسد محسود پر ہر وقت بادلیل و بے دلیل واضح طور پر رسوا کن تنقید کرتا رہتا ہے۔

8-حاسد ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتا ہے وہ کوئی ایسا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا کہ جس میں محسود کو جانی یا مالی نقصان سے دوچار کیا جا سکتا ہو۔

9-آخری بات یہ ہے کہ حاسد کا خون ہر وقت کھولتا رہتا ہے، وہ ایک پریشان طبیعت شخص ہوتا ہے، ذلت اور بدحالی ہر وقت اس کے چہرے پر چھائی رہتی ہے[40]۔

جادوگر کی علامات:

1-مریض سے اس کا اور اس کی والدہ کا نام پوچھنا۔

2-مریض سے اس کی استعمال شدہ اشیاء مثلاً کنگھی، کپڑے اور بال طلب کرنا۔

3-مخصوص صفات کا جانور طلب کرنا مثلاً یہ کہ سیاہ رنگ کا جانور غیر اللہ کے نام پر ذبح کریں پھر اس ذبح شدہ جانور کے خون کو مریض کے جسم پر ملے یا پھر اس ذبح شدہ جانور کو غیر آباد جگہ پھینکنے کا کہے۔

4-طلسمات کا لکھنا جس میں کبھی تیر، حروف مقطعات، برجوں کی شکلیں یا ستاروں کے نام لکھے ہوئے ہوں۔

5-علاج کے وقت ابتدا میں قرآن کی تلاوت کرنا مگر پھر دوران علاج نامعلوم اور سمجھ میں نہ آنے والے جملوں کا اس طرح ورد کرنا کہ مسحور کو ان کی سمجھ نہ آئے۔

6- مسحور کو کہنا کہ خاص مدت تک لوگوں سے الگ تھلگ ایسے مقام یا کمرے میں رہے جہاں سورج کی روشنی تک نہ آنے پائے۔
7- مسحور کو کہنا کہ مخصوص مدت تک پانی نہ چھوئے اور گندہ رہے، نیز مسحور کو کہنا کہ گلے میں صلیب لٹکا کر رکھے، صلیب لٹکانے کا کہنا اس بات کی علامت ہے کہ اس جادوگر کا موکل جن عیسائی ہے۔
8- مریض کو کچھ چیزیں دے کر کہنا کہ انہیں زمین میں جا کر دفن کر دے۔
9- مریض کو کچھ اوراق دے کر کہنا کہ انہیں جلا کر راکھ کر دے۔
10- مسحور کو نقش شدہ برتن دینا اور کہنا کہ ان میں پانی گھول کر پیو]41[

کاہن کی علامات:

1- کسی نابالغ بچے کو سامنے بٹھا کر اس کے ناخن پر سیاہی لگا دیتے ہیں پھر اس میں مختلف شکلیں دکھانے کا دعوی کر کے لوگوں کو فریب دیا جاتا ہے۔
2- مریض کے کسی کپڑے کی پیمائش کی جاتی ہے پھر اس کے کم و بیش ہونے کی صورت میں بیماری، آسیب یا سایہ وغیرہ سے مطلع کیا جاتا ہے۔
3- پانی دم کر کے پلایا جاتا ہے پھر اس کے ذائقہ کی تبدیلی کے بہانے مختلف بیماریوں یا جن بھوت کے اثر انداز ہونے کا دعوی کیا جاتا ہے۔4- کسی پرندے یا طوطے وغیرہ سے پرچی نکالی جاتی ہے پھر اس پر تحریر شدہ عبارت کی روشنی میں متاثرہ لوگوں کی قسمت بتائی جاتی ہے[42]۔

مسحور کی علامات:

کسی بھی بیماری کے علاج سے پہلے اصل اور بنیادی چیز مرض کی تشخیص ہے چونکہ جادو بھی ایک بیماری ہے لہذا از حد ضروری ہے کہ علاج معالجے سے پہلے مرض کی اچھی طرح تشخیص کر لی جائے اور ان علامات کا بغور جائزہ لیا جائے جن

کی روشنی میں اس بات کا تعین ہوسکے کہ واقعی یہ معاملہ جادو کا ہی ہے، مسحور کی علامات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

أ: حالت بیداری کی علامات

ب: حالت نیند کی علامات

أ: حالت بیداری کی علامات:

-1 کسی سبب کے بغیر گر جانا

-2 اللہ کے ذکر سے رُکنا اور بدکنا

-3 کسی سبب کے بغیر سر درد ہونا

-4 آواز کا کمزور ہونا

-5 سستی اور رنجیدگی[43]

-6 ایسی بے ہوشی جس کا کوئی طبی سبب نہ ہو۔

-7 جسم کے کسی عضو کا ایسا شل ہوجانا جس کا کوئی طبی سبب نہ ہو۔

-8 بہت جلد غصہ ہونا اور بغیر کسی واضح سبب کے رونا۔

-9 عورتوں کی ماہواری میں بے قاعدگی۔

10 لڑکی یا لڑکے کی منگنی کا بار بار ٹوٹ جانا یا ہمبستری کے وقت عورت کا انتہائی گھٹن محسوس کرنا[44]۔

-11 کسی دوسرے کا کوئی عذر قبول نہ کرنا۔

-12 چھوٹے سے اختلاف کو پہاڑ جیسا تصور کرنا۔

-13 کسی خاص جگہ پر بے چینی، خوف یا گھبراہٹ محسوس ہونے لگنا اور وہاں سے کہیں اور جانے پر اطمینان محسوس ہونا۔

-14 شوہر یا بیوی میں ہمبستری کی خواہش کا ختم ہوجانا[45]۔

-15 اس میں عام آدمی کی طاقت کی بجائے کئی گنا زیادہ طاقت کا پایا جانا۔

-16مریض کو دورے کو وقت مارا پیٹا جائے تو اسے اس وقت اور بعد میں بھی کوئی تکلیف محسوس نہ ہونا۔

-17ہوش وحواس برقرار ہونے کے بعد مریض اپنے بارے میں مذکورہ بالا علامات کا انکار کرتا ہو۔

-18بعض دفعہ مریض کی آنکھیں پتھرا جاتی ہوں اور انہیں بند کرنا مشکل ہو جاتا ہو۔

-19بسا اوقات مریض ذہنی انتشار کی کیفیت محسوس کرتا ہو۔

-20مریض ہوش وحواس کی حالت میں بھی صفائی اور پاکیزگی کو نظر انداز کرنے لگے[46]

-21آنکھوں کا انگاروں کی طرح سرخ ہو جانا۔

-22جنوں کا اپنا نام بتانا۔

-23اجنبی زبان میں باتیں کرنا۔

-24ڈر کر چھپنا[47]۔

25بھول جانے کی بیماری لاحق ہو جانا۔

-26 جسمانی رنگت کا تبدیل ہو جانا، خصوصا چہرے کا رنگ سیاہ پڑ جائے[48].

ب:حالت نیند کی علامات:

-1خوفناک خواب (آنا)[49]

-2خواب میں بلندی سے نیچے گرنا، عجیب وغریب قسم کے انسانوں اور سانپوں کا دیکھنا۔

-3بے خوابی، بے چینی اور نیند کی حالت میں گھبرا کر اٹھنا[50]۔

-4نیند کی حالت میں بلند آواز سے باتیں کرنا یا سسکنا اور آہیں بھرنا[51]۔

-5گلے کا گھٹنا۔

6-دانت کاٹنا۔

7-نیند میں ہنسنا۔

8-دوران نیند چلنا، یا بولنا[52]۔

9-خواب میں گندی چیزیں دکھائی دیتی ہوں۔

10-سوتے وقت بار بار ڈر جانے کی کیفیت پیدا ہوتی ہو۔

11-مریض کو تھکاوٹ اور نیند کی ضرورت کے باوجود گھنٹوں نیند نہ آتی ہو۔

12-خواب میں ہیولے، سائے وغیرہ نظر آتے ہوں[53]

تنبیہ: اگر کسی کو ان عوارض وحالات میں سے کوئی چیز پیش آجائے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسے جن لگ گیا ہے، اس لیے قرآن کے ذریعے دم کیے بغیر کوئی شخص یہ فیصلہ نہیں کر سکتا ہے کہ فلاں شخص پر جن کا اثر ہے کیونکہ مذکورہ عوارض و حالات جن لگنے کے لیے قطعی دلیل کی حیثیت نہیں رکھتے[54]۔

لہٰذا مریض کو چاہیے کہ اگر جسمانی حصوں میں تکلیف محسوس کرے تو بطور احتیاط اس مرض کے خصوصی معالج سے ضرور رابطہ کرے، کیونکہ ہو سکتا ہے اسے روحانی علاج کی بجائے طبعی علاج کی ضرورت ہو[55]۔

جادو کا علاج کرانا:

جادو بھی چونکہ دیگر بیماریوں کی طرح ایک بیماری ہے لہٰذا دیگر امراض کی طرح اس مرض کا علاج بھی سنت نبوی ﷺ ہے، نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

تَدَاوَوْا، فَإِنَّ اللهَ عزَّ وجلَّ لم يَضَعْ دَاءً إلا وضع له دَوَاءً غيرَ داءٍ واحدٍ الهَرَمُ

" علاج معالجہ کروایا کرو کیونکہ اللہ تعالی نے کوئی بیماری ایسی نہیں اتاری جس کی دوا نہ اتاری ہو سوائے ایک بیماری بڑھاپے کے "۔[56]

اس روایت کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علاج معالجہ کرنا مسنون بلکہ بسا اوقات لازمی اور ضروری ہو جاتا ہے اور اگر مریض علاج معالجے میں سستی کرے تو زبردستی بھی اس کا علاج معالجہ کروایا جا سکتا ہے، لہٰذا جس

طرح دیگر بیماریوں کا علاج کروانا چاہیے اسی طرح جادو کو بھی بیماری سمجھتے ہوئے اس کا علاج کروانالازمی وضروری ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ یہ روحانی بیماری ہے جس کا علاج بھی روحانیت سے ہی ممکن ہے، ذیل میں جادو کے علاج معالجے سے متعلق کچھ گذارشات پیشِ خدمت ہیں۔

روحانی معالج کی صفات:

جادو کا علاج معالجہ کرنے کے لیے معالج میں کچھ صفات کا ہوناضروری ہے کیونکہ اگر معالج ان صفات کا حامل نہ ہوا تو خدشہ ہے کہ معاملہ درست سمت میں جانے کی بجائے الٹا نقصان اٹھاناپڑجائے، کیونکہ اگر معالج علم و عمل میں پختہ نہ ہوگا تو شیطان اگلی مرتبہ مزید قوت سے وار کرے گا۔

ذیل میں ان صفات کا مختصراً تذکرہ کیا جاتا ہے۔

-1 علم 2- تجربہ 3-زہد و تقویٰ، 4-راز کی حفاظت، 5-نفسیاتی امراض کا علم[57]۔

-6 مریض کی جسمانی قوت، بدن کے طبیعی مزاج وعادات، مختلف طرقِ علاج اور ان کے ردودِ عمل وغیرہ سے بخوبی واقف ہو۔

-7 روحانی علاج کے سلسلے میں معالج کسی ایسے طریقہ علاج کو اختیار نہ کرے کہ جسے وہ مشکوک یاواضح طور پر حرام سمجھتا ہو۔

-8 روحانی معالج علاج معالجہ کے دوران یااس کے علاوہ عام حالات میں بذات خود جادو وجنات وغیرہ سے خوفزدہ نہ رہتا ہو[58]۔

-9 سلف صالحین کے عقیدے پر ہو۔

-10 بدعتی نہ ہو۔

-11 اپنے قول و عمل میں توحید خالص کو ثابت کرنے والا ہو[59]۔

-12 علاج سے پہلے باوضو ہوجائے۔ اور اگر نماز کا وقت ہو تو پہلے نماز ادا کرے۔ -13 اپنا جسم اور لباس بھی ہر صورت پاک رکھے]60[

جادو کا بذریعہ جادو علاج؟

ضرورت مند انسان مجبور ہوتا ہے اور اپنی ضروت کی تکمیل کے لیے ہر قسم کا حربہ استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا۔ لیکن ایک مسلمان کے لیے لازمی اور ضروری ہے کہ اپنے مصائب کے حل کے لیے حلال اور جائز طریقے اختیار کرے، عام طور پر دیکھنے اور سننے میں آتا ہے کہ لوگ جادو ٹونا کے علاج کے لئے نام نہاد پیروں، فقیروں، جعلی عاملوں اور غیر مسلموں سے رابطہ کرتے ہیں۔ تجربے اور مشاہدے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس میں لوگوں کو صحت بھی ملی اور جادوو غیرہ سے نجات حاصل کر چکے ہیں لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ یہ عمل ناجائز اور حرام ہے لہٰذا جادو کا علاج بذیعہ جادو نہیں کرایا جاسکتا ہے، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے "النشرہ" (جادو کا علاج بذریعہ جادو) کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

من عمل الشیطان

یہ شیطانی کاموں میں سے ہے۔]61[

امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کے متعلق فرماتے ہیں:

کانوا یکرھون التمائم والرقی والنشر

یہ تمام حضرات تعویذ، شرکیہ دم درود اور جادو کا، جادو کے ذریعے سے علاج کرنے کو انتہائی ناپسند کرتے تھے۔]62[

اور نشرہ کی ہر دو قسموں کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے امام حافظ ابن قیم رحمہ اللہ رقمطراز ہیں "سحر شدہ کو جادو سے نجات دلانے کے لیے عمل کرنے کو نشرہ کہا جاتا ہے، اس کی دو اقسام ہیں۔

-1 جادو کا بذریعہ جادو علاج کرنا، یہ شیطانی عمل ہے کیونکہ جادو کرنا شیطان کا کام ہے، لہٰذا مسحور کو جادو سے نجات دلانے کے لیے جادو کا علاج بذریعہ جادو کرنے والا جادوگر کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ہر وہ غلط کام کرتا ہے جو شیطان چاہتا ہے۔

-2 نشرہ کی دوسری قسم وہ ہے جو کہ دم درود، دعاؤں اور جائز دواؤں سے کیا جاتا ہے، یہ جائز ہے۔]63[

جادو کا شرعی علاج:

جادو ٹونے کا شرعی علاج مندرجہ ذیل طریقوں سے کیا جا سکتا ہے، ان طریقوں کے استعمال سے اللہ کے فضل و کرم سے مریض نہ صرف صحت یاب ہو گا بلکہ وہ نہایت خوش و خرم زندگی بسر کرے گا۔

بذریعہ دم:

دم کے ذریعے جادو کا علاج کرنے کی تین صورتیں ہیں اور تینوں ہی درست اور جائز ہیں۔

الف: بذات خود دم کرنا:

سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے جسم میں تکلیف کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اپنا ہاتھ جسم کے اس حصے پر رکھ کر جس میں تم تکلیف محسوس کرتے ہو اور تین مرتبہ "بسم اللہ" کہو اور سات مرتبہ یہ کلمات کہو:

أَعُوذُ بِعِزَّةِ اللَّهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وأحاذر

" میں اللہ تعالی کی عزت اور اس کی قدرت کی پناہ میں آتا ہوں اس چیز کے شر سے جسے میں محسوس کرتا ہوں اور جس کا مجھے اندیشہ ہے"۔]64[

اور مسلم ہی کی دوسری روایت میں آپ ﷺ نے انہیں ایک نصیحت فرمائی سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

فَفَعَلْتُ فَأَذْهَبَ اللهُ مَا كَانَ بِيْ

میں نے اسی طرح (دم) کیا تو اللہ نے یہ تکلیف مجھ سے دور کر دی۔]65[

ب: کسی دوسرے کا مریض کو بغیر کہے دم کرنا:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوتے تو جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو ان الفاظ کے ذریعے دم کیا کرتے تھے:

بِاسْمِ اللهِ يُبْرِيكَ، وَمِنْ كُلِّ دَاءٍ يَشْفِيكَ، وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ، وَشَرِّ كُلِّ ذِي عَيْنٍ

اللہ کے نام کی برکت سے شروع کرتا ہوں کہ آپ کو صحتیابی سے نوازے، ہر بیماری سے شفا دے ہر حسد کرنے والے کے حسد کے شر سے اللہ آپ کو محفوظ رکھے اور ہر ایک کی نظر سے آپ کی حفاظت فرمائے۔]66[

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا، "نبی کریم ﷺ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے لیے اللہ تعالی کی پناہ طلب کیا کرتے تھے اور ساتھ فرماتے، تمہارے باپ (یعنی جد امجد) ابراہیم علیہ السلام ان (کلمات) کے ساتھ اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کے لیے (اللہ تعالی کی) پناہ طلب کیا کرتے تھے۔

أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ، مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ

میں اللہ تعالی کے کامل تاثیر والے کلمات کے ساتھ ہر ایک شیطان ہر زہریلے جانور اور ہر نقصان دینے والی نظر بد سے پناہ طلب کرتا ہوں۔] "67[

ج: کسی سے دم کروانا:

خارجہ بن صلت اپنے چچا سے بیان کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ سے ملاقات کے بعد عرب کے ایک محلے میں پہنچے، اس محلے کے لوگوں نے کہا ہمیں بتایا گیا ہے کہ تم اس شخص (یعنی محمد ﷺ) سے خیر و برکت لے کر آئے ہو کیا تمہارے پاس کوئی دوا یا دم ہے کیونکہ ہمارے پاس ایک آسیب زدہ شخص زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے!، ہم نے کہا کہاں ہے؟ چنانچہ وہ اس شخص کو لے آئے جو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا خارجہ کے چچا کہتے ہیں کہ: "میں نے تین دن اس

پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا، میں اپنے تھوک کو اکٹھا کر کے اس پر تھوکتا رہا گویا وہ پہلے بندھا ہوا تھا جس سے اس کو آزادی حاصل ہو گئی ان لوگوں نے مجھے مزدوری دی میں نے (لینے سے) انکار کر دیا جب تک میں نبی کریم ﷺ سے دریافت نہ کر لوں، آپ ﷺ نے فرمایا:

كُلْ فَلَعَمْرِي لَمَنْ أَكَلَ بِرُقْيَةِ بَاطِلٍ لَقَدْ أَكَلْتَ بِرُقْيَةِ حَقٍّ

تو اسے کھا سکتا ہے، مجھے اپنی زندگی کی قسم! کچھ وہ لوگ ہیں جو غلط دم کر کے کھاتے ہیں لیکن تو نے صحیح دم کر کے کھایا۔]68[

ٹیلی فون کے ذریعے دم کرنے کا حکم؟

ضروری ہے کہ مریض پر دم بلاواسطہ اور براہ راست ہو، چنانچہ لاؤڈ اسپیکر یا ٹیلی فون کے ذریعے دم کرنا صحیح اور درست نہیں ہے، کیونکہ ایسا کرنا رسول اللہ ﷺ کے طریقۂ دم، آپ ﷺ کے اصحاب کے طریقے اور احسان کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں (تابعین اور اتباع تابعین وغیرہ) کے طریقۂ دم کے خلاف ہے[69]۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو شیاطین وحاسدین کے شر سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

[2] تیسیر العزیز الحمید:2/280

[3] صحیح البخاري 4/10

[4] القول المفید للعثیمین 1/489

[5] مؤطا امام مالک 2/444

[6] مصنف عبد الرزاق 10/180

[7] جامع ترمذی، ص:346 موقوف صحیح، الکبائر للذھبی، ص:18، ط: دار الکتب العربی

[8] صحیح بخاری۔ حدیث:3275

[9]جادو جنات سے بچاؤ کی کتاب، ص:18

[10]دیکھیے:الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ24/262

[11]تفسیر ابن کثیر1/712

[12]صحیح سنن ابن ماجہ:3548

[13]جادو جنات سے بچاؤ کی کتاب، ص:113

[14]جادو کی حقیقت، ص:207، مجموع الفتاوی19/40،39

[15]بدائع التفسیر:3/448

[16]تفسیر احسن البیان۔1757 دیکھئے تفسیر ابن کثیر:8/539

[17]فتاوی ارکان الاسلام للعثیمین، ص:46، اردو

[18]سنن ابن ماجہ:2/1228

[19]روزنامہ جنگ، اشاعت:بروز اتوار بتاریخ2015-2-22

[20]لسحر والشعوذۃ للفوزان، ص:445، تحت مجموعۃ رسائل دعویۃ ومنہجیۃ

[21]دیکھئے جنات کا پوسٹ مارٹم، ص:176 تا183

[22]دیکھئے:معالم السنن للخطابی4/217

[23]تیسیر القرآن4/714

[24]تفسیر احسن البیان، ص:1755

[25]تفسیر القرآن الکریم، مولف عبد السلام بھٹوی،4/1025

[26]السحر والشعوذۃ، ص:448

[27]صحیح البخاري:7/19

[28]تیسیر العزیز الحمید2/716

{ FN 1792 } [29]القول المفید للعثیمین1/528

[30]النہایہ2/413

[31]النھایہ2/798

[32]القلم:10-12

[33] صحیح مسلم4/2012

[34]تیسیر العزیز الحمید،2/713

[35]المنہاج للنووی۔16/374

[36]تفسیر القرآن العظیم4/1027

[37]فصیل کے لیے دیکھیں،بدائع التفسیر3/427-435

[38]الایمان بالقضاءوالقدر،ص:229

[39]کتاب العلم للعثیمین،ص:298

[40]جادواور آسیب کاکامیاب علاج،ص:284-285

[41]تفصیل کے لیے دیکھیں:الحذر من السحر للدکتور الجریسی،ص187 تا 191)نیز:500

سوال وجواب برائے جادووجنات،ص:273

[42]فتاویٰ اصحاب الحدیث۔4/448،447

500 [43]سوال برائے جادووجنات:ص381

[44]جادواور آسیب کاکامیاب علاج:ص93

[45]جنات سے بچاؤ کی کتاب:ص59-60

[46]جنات کاپوسٹمارٹم۔ص:412

[47]جادو کی حقیقت،ص:206

[48]الحذر من السحر،ص:192

[49]جادو کی حقیقت اور اس کاعلاج،ص:60

[50]جادواور آسیب کاکامیاب علاج،ص:93

[51]جادواور آسیب کاکامیاب علاج،ص:93

500 [52]سوال وجواب برائے جادووجنات:ص381

[53]جنات کاپوسٹمارٹم:ص413

[54]جادواور آسیب کاکامیاب علاج:ص93

[55]الحذر من السحر، ص:193

[56]سنن أبي داود تحقيق الأرنؤوط6/5

[57]جادواور آسیب کاکامیاب علاج، ص:94-95

[58]جنات کاپوسٹمارٹم، ص:366

500 [59] دسوال وجواب برائے جادووجنات، ص:124

[60]جادوجنات سے بچاؤکی کتاب:ص124

[61]مسند احمد3/293، حسن، فتح الباری10/323،السلسلۃ الصحیحۃ،6/2760:2،612(

[62]مصنف ابن ابی شیبہ:23818

[63]اعلام الموقعین6/558مزید تفصیل کے لیے دیکھیں:اعلام الحائر بحکم حل السحر علی ید الساحر، لمحمد بن عبد اللہ الامام

[64]السنن الكبرى للنسائي7/76

[65]السنن الكبرى للنسائي7/76

[66] صحیح مسلم4/1718

[67] صحيح البخاري4/147

[68]مسند أبي داود الطيالسي2/701

[69]500سوال جواب برائے صحت وعلاج، ص:296

(7) دینِ اسلام میں تفریح کا تصور ۔

الشیخ شاہ فیض الابرار صدیقی حفظہ اللہ

تفریح کا تصور ہر زمانے اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے البتہ ہر قوم اپنی تہذیب و تمدن کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کا اہتمام کرتی رہی ہے، مثلا رقص، ڈرامے، موسیقی، گانے اور مختلف طرح کے کھیل کود وغیرہ۔ اور کچھ اقوام میں تو تفریح کے ان مظاہر کو مذہبی حیثیت بھی حاصل ہے اور کچھ اقوام میں اس کا تعلق صرف ثقافت سے ہے۔

لیکن عصر حاضر میں نت نئی ایجادات نے تفریح کا تصور بالکل ہی تبدیل کر دیا ہے۔ عمومی طور پر زمانہ ماضی میں تفریح کا تصور جسمانی تربیت و نشوونما کے ساتھ وابستہ تھا اور بغور جائزہ لیا جائے تو زمانہ ماضی میں تفریح و کھیل کے جتنے بھی مظاھر تھے ان سب میں یہی پہلو اجاگر تھا، یہاں تک کہ گھریلو خواتین کے کھیل بھی اسی نوعیت سے تعلق رکھتے تھے اس کے بالکل بر خلاف جدید ایجادات جیسے ڈش، کیبل، ٹیلی ویژن، کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور اسمارٹ موبائل فونز جن کو ذرائع ابلاغ بھی کہا جاتا ہے نے تفریح کے تصور کو بہت وسیع بنا دیا ہے اور اس وسعت نے سب سے پہلے سابقہ تصور تفریح میں موجود اجتماعیت کو ختم کر دیا اور انفرادیت کو رائج کیا۔ اور المیہ تو یہ ہوا کہ ان وسائل کے ذریعہ پیش کیے جانے والے پروگرام جس میں فلمیں، کارٹونز، کھیل، گانے، فیشن اور ٹی وی شو وغیرہ کو بھی تفریح کا نام دے دیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس وقت تہذیبی جنگ میدان میں یا اسلحے کے ساتھ نہیں لڑی جا رہی بلکہ عقیدہ اور اخلاق کے میدان میں لڑی جا رہی ہے اور تفریح کے نام پر غیر اسلامی تہذیب و ثقافت کو فروغ دیا جا رہا ہے۔

اسلام صرف عقائد کے باب میں میانہ روی یا اعتدال پرستی کا تعلق تمام شعبہ حیات سے ہے اور اس کا یہی خاصہ بھی ہے، اور اس کی دوسری سب سے بڑی خوبی اس کے کسی بھی ضابطے کا تعلق غیر فطری یا غیر عقلی تصورات سے نہیں، یعنی کہیں بھی اس نے انسان کی جائز ضروریات پر کوئی قدغن نہیں لگائی البتہ کچھ اصول وضوابط کے ذریعے اس کی حدبندیاں ضرور کر دیں تاکہ فساد بپا نہ ہو۔

اقوامِ یورپ کی طرح پوری زندگی کو کھیل کود بنا دینا اور "زندگی برائے کھیل" کا نظریہ اسلام کے نقطہ نظر سے درست نہیں ہے، بلکہ آداب کی رعایت کرتے ہوئے، اخلاقی حدود میں رہ کر کھیل کود، زندہ دلی، خوش مزاجی اور تفریح کی نہ صرف یہ کہ اجازت ہے، بلکہ بعض اوقات چند مفید کھیلوں کی حوصلہ افزائی بھی کی گئی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اسلام سستی اور کاہلی کو پسند نہیں کرتا، بلکہ چستی اور خوش طبعی کو پسند کرتا ہے۔

اس سے قبل کہ ہم اسلام کے تصورِ تفریح پر بات کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عنوان کا تعارف کروادیا جائے۔

تفریح کیا ہے؟

تفریح کا لفظ دراصل عربی زبان کا لفظ ہے جو "فرح" سے مشتق ہے جس کے معنی گپ شپ، دل لگی، ہنسی مذاق، خوشی ومسرت، فرحت اور اطمینان وغیرہ حاصل کرنے کے آتے ہیں۔ فرح کے بارے میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

الفرح لذة تقع في القلب بإدراك المحبوب

کہ محبوب چیز کے پالینے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے، اسی کو فرحت اور خوشی کہتے ہیں۔]2[

اگر یہ فرحت محض قلبی ہو اور احساس نعمت یعنی شکر گذاری سے تعبیر ہو اور اس کے فضل و کرم کے استحضار پر مبنی ہو تو وہ شرعاً مطلوب، مستحسن اور پسندیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوا

یونس–58

"آپ کہہ دیجیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور مہربانی سے ہے، تو چاہیے کہ وہ لوگ خوش ہوں۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَرِحِینَ بِمَا آتَاھُمُ اللّٰہُ مِن فَضْلِہٖ

آل عمران–170

"جنتی لوگ خوش ہوں گے، ان نعمتوں پر جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے عطا کی ہیں"۔

ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

رَوِّحُوا الْقُلُوْبَ سَاعَۃً"

کہ دلوں کو وقتاً فوقتاً خوش کرتے رہا کرو۔]3[

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

القلوب تمل کما تمل الأبدان فابتغوا لها طرائف الحكمة

ترجمہ: "دل اسی طرح اکتانے لگتا ہے، جیسے بدن تھک جاتے ہیں، لہٰذا اس کی تفریح کے لیے حکیمانہ طریقے تلاش کیا کرو"۔]4[

مزاح کا شرعی حکم

اسلام کے تصور تفریح کی اساس قرآنی تعلیمات اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ جس میں حلال و حرام، شرم وحیا اور اخلاقی پابندیوں کو اہم مقام حاصل ہے۔ ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نمونہ ہے۔ آپ جہاں ایک طرف اتنی نمازیں پڑھتے تھے کہ قدم

مبارک پروان چڑھا تھا وہیں آپ صحابہ کرام سے ہنسی مذاق اور دل لگی بھی کرتے تھے۔اس کی سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ اسلام سستی اور کاہلی کو ناپسند اور چستی اور خوش طبعی کو پسند کرتا ہے۔ شریعت کی تعلیمات اس امر کا تقاضہ کرتی ہیں کہ مسلمان شریعت کے تمام احکام پر خوشی خوشی عمل کرے۔ یہ عمل تنگ دلی کے ساتھ نہ ہو کیوں کہ سستی اور تنگ دلی کے ساتھ عبادات کو انجام دینا نفاق کی علامت ہے۔باری جل وعلا نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ

النساء–142

" منافقین جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی اور کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں"۔

سستی اور کاہلی بے جا فکر مندی اتنی ناپسندیدہ چیز ہے کہ رسول ﷺ نے ان امور سے پناہ مانگی ہے۔اسی لیے آپ دعا فرماتے تھے:

وَأَعُوذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ

اے اللہ میں عاجزی اور سستی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔]5[

اسی طرح صحابہ کرام بھی آپس میں ہنستے کھیلتے اور دل لگی کی باتیں کرتے تھے۔کیونکہ تفریح کرنا کوئی ناجائز کام نہیں بشرطیکہ اسے مستقل عادت نہ بنالیا جائے کہ آدمی اپنی ذمہ داریوں سے غفلت برتنے لگے اور یہ بھی مناسب نہیں کہ لوگوں کو ہنسانے کی خاطر جھوٹ سے کام لے۔حدیثِ نبوی ﷺ ہے:"تباہی ہے اس شخص کے لیے جو لوگوں کو ہنسانے کی خاطر جھوٹی باتیں کرتا ہے۔اس کے لیے تباہی ہے۔اس کے لیے تباہی ہے"۔]6[

اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ وہ لوگوں کی قدر و منزلت اور عزت کا خیال نہ رکھے اور ان کا مذاق اڑانے لگے۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ

الحجرات–11

اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔

مزاح اور زندہ دلی و خوش طبعی انسانی زندگی کا ایک خوش کن عنصر ہے، اور جس طرح اس کا حد سے متجاوز ہو جانا نازیبا اور مضر ہے، اسی طرح اس لطیف احساس سے آدمی کا بالکل خالی ہونا بھی ایک نقص ہے۔ جو بسا اوقات انسان کو خشک محض بنا دیتا ہے۔ بسا اوقات ہجولیوں اور ہمنشینوں اور ماتحتوں کے ساتھ لطیف ظرافت و مزاح کا برتاؤ ان کے لیے بے پناہ مسرت کے حصول کا ذریعہ اور بعض اوقات عزت افزائی کا باعث بھی ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اپنی تمام تر عظمت و رفعت اور شان و شوکت کے باوجود، بسا اوقات اپنے جاں نثاروں اور نیاز مندوں سے مزاح فرماتے تھے۔ ذیل کی احادیث سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کا پر شفقت مزاح کس طرح ہوا کرتا تھا۔

سنت رسول ﷺ سے مزاح کی چند مثالیں:

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول ﷺ! آپ ہم سے مزاح فرماتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: "میں مزاح میں بھی حق بات ہی کہتا ہوں (یعنی اس میں کوئی بات غلط اور باطل نہیں ہوتی)"۔]7[

m سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بوڑھی عورت سے فرمایا کہ "بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔ اس بے چاری نے عرض کیا ان بوڑھیوں میں کیا ایسی بات ہے جس کی وجہ سے وہ جنت میں

نہیں جا سکیں گی۔ وہ بوڑھی قرآن خواں تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم نے قرآن میں یہ آیت نہیں پڑھی؟[8]

إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا

الواقعة–36/35

کہ "ہم نے ان کی (بیویوں کو) خاص طور پر بنایا ہے۔ اور اور ہم نے انہیں کنواریاں بنا دیا ہے"۔

جناب انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سواری کے لیے اونٹ مانگا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: "ہاں! میں تم کو سواری کے لیے اونٹ کا بچہ دوں گا، اس شخص نے عرض کیا کہ میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: اونٹ بھی تو اونٹنی ہی کے بچے ہوتے ہیں"۔ [9]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں (ازراہِ مزاح و شفقت) "یاذالاذنین" "اے دو کان والے کہہ کر مخاطب کیا۔ (حالاں کہ ہر شخص دو کان والا ہوتا ہے)۔ [10]

سیدنا نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ رسول ﷺ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ اسی درمیان آپ کو گھریلو معاملات میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی آواز بلند محسوس ہوئی۔ جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف مارنے کے لیے لپکے اور اپنی بیٹی عائشہ کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: کیا میں تمہیں رسول ﷺ سے اونچی آواز میں گفتگو کرتے ہوئے نہیں دیکھ رہا ہوں؟! یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ عائشہ کو ان کے والد کی مار سے بچانے کی کوشش کرنے لگے۔ اسی دوران ابو بکر رضی اللہ عنہ غصہ کی حالت میں گھر سے نکل گئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نکلتے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کیا خیال ہے؟ میں نے تمہیں اس شخص (الرجل) سے بچایا کہ نہیں؟ راوی کہتے ہیں کہ

ابو بکر رضی اللہ عنہ کچھ دنوں تک ناراض رہے، پھر رسول اللہ ﷺ کے یہاں حاضر ہو کر اندر آنے کی اجازت چاہی، گھر جا کر محسوس کیا کہ آپ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے مابین صلح ہو چکی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ: "آپ دونوں مجھے اپنی صلح میں شامل کر لیجیے، جس طرح آپ دونوں نے مجھے اپنے جھگڑے میں شامل کیا تھا، تو آپ نے فرمایا کہ: جی ہاں آپ کو صلح میں شامل کر لیا۔

(اس حدیث میں ابوّ کے رشتہ کے حامل بزرگ جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ کو محض (الرجل) کہنے سے جو مزاح پیدا ہوتا ہے، اسے کوئی بھی شخص محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا)۔

سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں غزوہ تبوک میں حاضر ہوا، جب کہ آپ چمڑے سے بنے سائبان میں قیام پذیر تھے۔ میں نے سلام کیا، تو انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا آجاؤ میں نے عرض کیا: پورا کا پورا آجاؤں؟ آپ نے فرمایا: ہاں پورا کا پورا۔ (جگہ کی قلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان صحابی رضی اللہ عنہ نے جس محبت کے ساتھ مزاح کیا رسول اللہ ﷺ نے کمالِ اخلاق مندی سے انھیں کے مزاحیانہ اسلوب میں جواب دیا)"۔]11[

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ آداب کی رعایت کرتے ہوئے کبھی کبھی مزاح کی نہ صرف گنجائش ہے، بلکہ مستحسن ہے اور اسوہ نبوی کی اتباع ہے، لیکن اگر مزاح دوسرے آدمی کے لیے ناگواری اور اذیت کا باعث بن جائے، یا حد سے زیادہ ہنسی کا ذریعہ بن جائے یا مزاح کا عمل کبھی کبھار کے بجائے کثرت سے ہونے لگے، تو ایسے مزاح کی ممانعت ہو گی اور اس کی حوصلہ شکنی کی جائے گی۔

مزاح سے متعلق چند شرعی قواعد وضوابط

(1) ہنسی مذاق میں دین حنیف کا مذاق نہیں ہونا چاہئے:

ایسا کرنے سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ فرمان باری جل وعلا ہے:

وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ

التوبة–65

اگر ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو کھیل مزاح کر رہے تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" اللہ تعالیٰ، اس کی آیات، اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کرنا کفر ہے اس عمل سے بندہ ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا ہے] " 12[

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اسے ارتداد قرار دیا ہے۔ اس میں وہ مذاق بھی شامل ہے جیسا کہ بعض لوگ چند شرعی احکام کو مذاق بناتے ہیں جن میں ٹخنے سے کپڑا اونچا رکھنا، داڑھی بڑھانا، نماز اور روزہ وغیرہ۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "جس نے ہنستے ہوئے گناہ کیا وہ روتے ہوئے جہنم میں داخل ہوگا]" 13[

(1) مزاح سچائی پر مشتمل ہونا چاہئے نہ کہ جھوٹ پر:

امام احمد رحمہ اللہ اپنی مسند میں روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "اس شخص کیلئے ہلاکت ہے جو بات کرتا ہے اس میں جھوٹ بولتا ہے تاکہ قوم کا ہنسا سکے اس کے لئے تباہی اور ہلاکت ہے"۔] 14[

ایک اور روایت میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بندہ ایسی بات کر جاتا ہے کہ جس سے اپنے ساتھ بیٹھے لوگوں کو ہنسا سکے اور اس بات کی وجہ سے جہنم میں اتنا دور جا گرتا ہے جیسا کہ دنیا سے ثریا"۔]15[

مذکورہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مزاح کے طور پر جو گفتگو کی جائے، وہ ظرافت ولطافت کے باوصف فی نفسہ صحیح اور درست ہو، خوش طبعی کے لیے جھوٹ کا سہارا لینا بھی مذموم ہے۔

(3) مزاح میں کسی کا تمسخر اور استہزاء مقصود نہ ہو

یہ ایک حرام اور ناجائز عمل ہے جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَاأَيُّهَاالَّذِينَ آمَنُوا لَايَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَى أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَى أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ

الحجرات–11

اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے یہ ان سے بہتر ہوں۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اس سے مراد لوگوں کو حقیر کمتر سمجھنا، ان کا مذاق اڑانا، یہ ایک حرام کام ہے اور منافقین کی صفت ہے"۔] 16[

امام بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں روایت نقل کی کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لوگوں کا تمسخر اور ٹھٹھ اڑانے والوں کیلئے جنت کا دروازہ کھولا جائے۔ ان میں سے ایک کو کہا جائے گا کہ آجاؤ، جب وہ اپنے غم و کرب اور تکلیف میں مبتلا دروازے پر پہنچے گا جب وہ قریب آئے گا تو دروازہ بند کر دیا جائے گا]" 17[

کسی کا مذاق اڑانے والے کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ اگر وہ کسی کا مذاق اڑا رہا ہے تو کہیں اللہ تعالیٰ بطور سزا اس پر وہ کیفیت اور صفت مسلط نہ کر دے۔ اور وہ اس مرض میں مبتلا ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اپنے بھائی کا تمسخر نہ اڑاؤ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے اور تمہیں کسی آزمائش میں مبتلا کر دے"۔

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کا مذاق اڑانے، مسلمانوں کو تکلیف دینے سے منع فرمایا اور کسی بھی مسلمان کی تحقیر کے سلسلے میں احادیث میں سخت ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

اَلْمُسْلِمُ أخو الْمُسْلِمِ لاَ يَظْلِمه وَلاَ يَخْذُله وَلاَ يَحْقِرُه

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس پر کوئی ظلم وزیادتی نہ کرے۔ اس کو بے یار و مددگار نہ چھوڑے اور اس کو حقیر نہ جانے اور نہ اس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ نہ کرے۔]18[

پھر آپ نے فرمایا: آدمی کے برا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے، کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے اور اس کے ساتھ حقارت سے پیش آئے۔

تکلیف دہ مزاح کی ممانعت کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے: عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو اور اس سے مذاق نہ کرو اور اس سے تم ایسا وعدہ نہ کرو جس کی وعدہ خلافی کرو۔ اس حدیث میں دیگر تکلیف دہ اعمال (جھگڑا، وعدہ خلافی) کے ساتھ اس مزاح کی بھی ممانعت کی گئی ہے؛ جو اذیّت ناک اور ناگواری کا باعث ہو۔

(4) مسلمان بھائی کو بطور مذاق ڈرائے یا دھمکائے نہیں

امام ابو داؤد نے سنن میں ابن ابی لیلیٰ سے روایت نقل کی کہ "ہمیں اصحاب رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ کسی سفر میں تھے ان میں سے ایک شخص سو گیا تو ایک اور فرد نے اس کے پاس موجود رسی سے اسے پکڑا وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو ڈرائے"۔]19[

ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے کوئی بھی اپنے بھائی کا سامان کھیل کود میں یا سنجیدگی میں نہ لے"۔] 20[

(5)مذاق میں حد سے زیادہ انہماک نہ ہو

مذاق میں حد سے زیادہ منہمک ہونا، طول دینا، اور مبالغہ آمیزی کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ مذاق کا بنیادی ضابطہ یہ ہے کہ وہ وقتی اور محض کچھ دیر کی خوش طبعی کیلئے ہونا چاہیئے نہ کہ اسے پیشہ بنایا جائے۔ مومنین کی صفات سنجیدگی ہے، ہنسی مذاق محض بطور رخصت کے اجازت دی گئی ہے بعض لوگ سنجیدگی اور کھیل کے وقت میں فرق نہیں کرتے۔ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لوگوں کی ایک بہت بڑی غلطی اور جرم یہ ہے انہوں نے مذاق کو پیشہ بنالیا ہے "[21]

اتفاقیہ طور پر حسبِ موقع مزاحیہ گفتگو کرلینا اور تفریحی اشعار کہہ سن لینا اگرچہ جائز ہے؛ لیکن اس کے لیے اہتمام سے اجتماع کرنا اور اس میں گھنٹوں لگانا کسی طرح بھی درست نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكه مَالاَيَعْنِيه

یعنی آدمی کے اچھے اسلام کی علامت یہ ہے کہ وہ ان امور کو ترک کردے جن سے انہیں سروکار نہیں۔[22]

مستقل طور پر مزاح میں لگے رہنا ممنوع ہے، اس لیے کہ وہ زیادہ ہنسنے کا سبب، قلب کے بگاڑ کا ذریعہ اور ذکر اللہ سے اعراض کا موجب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کبھی کبھار ہی مزاح فرماتے تھے، وہ بھی کسی خاص مصلحت کے لیے یا مخاطب کو مانوس کرنے کے لیے۔

ہنسی کے مواقع پر ہنسنا اور مسکرانا بھی انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور بلا موقع اور محل تکلف سے ہنسنا اور قہقہہ لگانا فطرت کے خلاف عمل ہے۔ موجودہ دور میں ڈاکٹروں کی رائے میں اگرچہ ہنسنا انسانی صحت کی برقراری اور اس کو چست و نشیط رکھنے کے لیے معاون فعل ہے، اس کے لیے خاص طور پر ہنسنے کے پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں، جن میں لوگ تکلف قہقہہ لگاتے ہیں اور دیر تک ہنسنے کی کوشش کرتے

ہیں، لیکن یہ عمل شرعی لحاظ سے مناسب نہیں، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَاتُکْثِرِ الضِّحْکَ فَاِنَّ کَثْرَۃَ الضِّحْکِ تُمِیْتُ الْقَلْبَ

کہ تم زیادہ مت ہنسا کرو، اس لیے کہ زیادہ ہنسا دل کو مردہ کردیتا ہے۔[23]

اس کے علاوہ قہقہہ لگانا یہاں تک کہ کھل کھلا کر ہنسنا بھی نبی کریم ﷺ (جو بالیقین ایمان والوں کے لیے ہر عمل میں بہترین اسوہ ہیں) سے ثابت نہیں، بلکہ آپ خوشی کے مواقع پر صرف زیرلب مسکرایا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اس طور پر کھل کھلا کر ہنستے ہوئے کہ آپ کے دہن مبارک کا اندرونی حصہ نظر آجائے، کبھی نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ تو صرف تبسم فرمایا کرتے تھے"۔

معلوم ہوا کہ اگر سلسلہ کلام میں کوئی تعجب خیز، حیرت انگیز یا مضحکہ خیز بات زیر تذکرہ آجائے؛ تو ان پر ہنسنے اور مسکرانے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ ایسے مواقع پر ہنسنا اور مسکرانا چاہیے، تا کہ دل کا بوجھ ہلکا اور غبار کم ہو اور موجودہ زمانے کی تحقیق کے مطابق صحت، مستعدی اور نشاط میں اضافہ ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ ہنسنا اور مسکرانا غافلین کا سا نہ ہو، اس لیے کہ اس طرح کا ہنسنا دلوں کو مردہ کردیتا ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ہنسا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں! بیشک! وہ ہنسنے کے موقع پر ہنستے بھی تھے، لیکن اس وقت بھی ان کے قلوب میں ایمان پہاڑ سے زیادہ عظیم ہوتا تھا۔

لہٰذا موجودہ دور کے ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق عمل کرتے ہوئے بے تکلف قہقہے لگانے کی مجلس منعقد کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے بلکہ بے تکلف فطری انداز میں جس قدر انسان ہنس لے، وہی اس کی صحت وتندرستی کے لیے کافی ہے۔ اس لیے کہ زیادہ ہنسنا رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق صحت

وتندرستی کا سبب نہیں بلکہ دلوں کے مردہ ہونے کا سبب ہے۔ اگر مزاح کے پہلوؤں کی حامل، مفید امور پر مشتمل کوئی کہانی ہو، تو اسے افادیاتی نقطۂ نظر سے انگیز کیا جا سکتا ہے۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو عرب کی تیرہ عورتوں اور ان کے شوہروں کا قصہ سنایا جو "حدیثِ امِّ ذرع" کے نام سے حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔

لطیفہ گوئی اور مزاح کو ذریعۂ معاش بنانا: کبھی کبھار لطیفہ کہہ دینے یا مزاح اور تفریح کر لینے کی تو گنجائش ہے، لیکن مستقل لطیفہ گوئی کرنا اور اس کو ذریعۂ معاش بنا لینا، یہ اس مقصد حیات کے برخلاف ہے، جو اسلام افراد اور معاشرے میں پیدا کرنا چاہتا ہے اور مستقل لطیفہ گوئی اور مزاح و تفریح میں مشغول رہنا انسان کو فکرِ آخرت، ذکر اللہ، عبادت اور تلاوت قرآن سے غافل کر دیتا ہے۔ زیادہ ہنسنے ہنسانے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ انھی اسباب کی وجہ سے شعر و شاعری کی مذمت کی گئی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ انسان اپنا پیٹ پیپ سے بھرے، یہ اس سے بہتر ہے کہ اشعار سے بھرے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ: شعر جب ذکر اللہ، قرآن کریم کی تلاوت اور علم کے اشتغال پر غالب آجائے، اور اگر شعر مغلوب ہے تو پھر برا نہیں۔ یہی حال لطیفہ گوئی اور مزاح نویسی کا ہے۔ اس کو مستقل پیشہ بنا لینا انہماک کی دلیل ہے اور ایسی چیزوں میں غالب انہماک ممنوع ہے، لہذا اس کی اجرت وصول کرنا بھی درست نہیں، از خود کوئی بطور انعام کے دے دے، تو اس کے لینے کی گنجائش ہے۔

(6) دوران مذاق عزت و مرتبہ کا خیال رکھا جائے

دوران مذاق لوگوں کے مقام ومرتبہ اور عزت وشرف اور ہیبت ووقار کالحاظ رکھا جائے۔ کیونکہ صاحب حیثیت ومنزلت افراد کے ساتھ مذاق بسا اوقات دائرہ ادب سے نکل جاتا ہے اور بے ادبی کا احتمال ہوتا ہے اس لئے ایسے افراد سے مذاق کرنے میں احتیاط برتی جائے۔ اور دائرۂ ادب کا خیال رکھا جائے۔ جیسا کہ بسا اوقات طالب علم استاد سے مذاق کرتا ہے تو وہ بھی دائرہ ادب سے نکل جاتا ہے اور ایک احترام کا رشتہ قائم رہنا چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن من إجلال الله إكرام ذي الشيبة المسلم

اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں یہ امر بھی شامل ہے کہ باریش مسلمان کی تکریم کی جائے۔]24[

امام طاؤس رحمہ اللہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "عالم کی عزت وتوقیر کرنا سنت ہے"۔

یہ بھی اسلامی آداب میں سے ہے کہ کسی اجنبی سے مذاق کرنے سے اجتناب کیا جائے جس کی طبیعت نفس اور مزاج سے ناآشنائی ہو۔ کیونکہ اس سے مزاح سے حقارت کے برتاؤ کا پہلو نکلتا ہے۔

سیدنا عمر بن عبد العزیز نے عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ "مذاق سے بچو کیونکہ اس سے مروّت جاتی رہتی ہے"۔

(7) بیوقوف اور کم عقل افراد سے مذاق کرنے سے اجتناب کیا جائے

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "مذاق میں میانہ روی اختیار کرو، اس میں افراط سے کام لینے سے ہیئت جاتی رہتی ہے اور بے وقوف لوگوں کو آپ کے خلاف جرأت ہو جاتی ہے"۔

8 مذاق میں کسی مسلمان بھائی کی غیبت اور چغل خوری نہیں ہونی چاہئے

مسلمان بھائی کی غیبت کرنا اس کے مردہ گوشت کھانے کے مترادف ہے۔
غیبت اور چغل خوری کا نتیجہ فتنہ ہے۔ عصر حاضر میں مزاح کی غالب صورتیں اس قبیح اور ناپاک جرم سے خالی نہیں، اور غیبت کی شرعی اصطلاح میں یہ تعریف بیان کی گئی ہے کہ:

ذکرک أخاک بمایکرہ

اپنے مسلمان بھائی کا اس انداز میں تذکرہ کرنا جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔]25[

لہٰذا غیبت اور چغل خوری ایک بہت بڑا اخلاقی جرم ہے مزاح کرنے میں اس سے پرہیز کیا جائے۔

تفریحی کھیل شرعی نقطہ نظر سے

اسلام کے تصور تفریح کا مقصد صرف وقت گزاری نہیں ہے بلکہ اس نے عملی، تربیتی عسکری اور جسمانی ورزش کے مقاصد بھی مد نظر رکھے ہیں۔ تفریح کے نام پر جھوٹ، تہمت، مبالغہ آمیزی اور دوسروں کی نقل اتارنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہ اسلام نے ان مجلسوں میں شرکت کرنے سے روک دیا جس میں انسان اس قدر منہمک ہو جائے کہ اسے نماز و دیگر فرائض کا پاس و خیال نہ رہے یا مرد و زن کا بے محابا اختلاط ہو۔
اسی لیے اسلام نے تفریح اور کھیل میں سے صرف انہی چیزوں کی اجازت دی ہے جو جسمانی یا روحانی فوائد کے حامل ہوں اور جو محض ضیاعِ اوقات کا ذریعہ ہوں، فکر آخرت سے غافل کرنے والے ہوں یا دوسروں کے ساتھ دھوکہ فریب یا ضرر رسانی پر مبنی ہوں، ان کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلامی نظام کوئی خشک نظام نہیں جس میں تفریحِ طبع اور زندہ دلی کی کوئی گنجائش نہ ہو، بلکہ وہ فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ اور فطری مقاصد کو بروئے کار لانے والا مذہب ہے۔

1۔اصولی ہدایت: اسلام انسان کو ایک بامقصد زندگی گزارنے کی ہدایت دیتا ہے اور کھیل و کود اور لہو ولعب پر مشتمل زندگی کی مذمت کرتا ہے۔بامقصد زندگی جس کی اساس ہمہ وقت اللہ کی خوشنودی کی جستجو، تعمیر آخرت کی فکر مندی اور لہو ولعب سے اِعراض ہو وہ زندگی اہل ایمان کی پہچان ہے اور جس کی بنیاد لہو ولعب پر مشتمل غفلت و بے پرواہی ہو وہ کفار کا شعار ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ

المؤمنون–3

کہ اہل ایمان کی صفت یہ ہے کہ وہ لغو اور فضول باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔

لہٰذا شرعی نقطہ نظر سے ہر وہ کام، قابلِ تعریف ہے، جو انسان کو مقصدِ اصلی پر گامزن رکھے۔ہر اس کام کی اجازت ہے، جس میں دنیا و آخرت کا یقینی فائدہ ہو۔یا کم از کم دنیا و آخرت کا خسارہ نہ ہو۔کھیلوں میں سے بھی صرف انہی اقسام کی اجازت ہے، جو جسمانی یا روحانی فوائد کے حامل ہوں۔وہ کھیل جو محض ضیاعِ اوقات کا ذریعہ ہوں، فکر آخرت سے غافل کرنے والے ہوں وہ کھیل جو دوسروں کے ساتھ دھوکہ فریب یا ضرر رسانی پر مبنی ہوں، ان کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

كُلُّ مَا يَلْهو ابه الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ بَاطِلٌ الَّا رَمْيَةٌ بِقَوْسه وَ تَأْدِيْبه فَرَسه وَ مُلَاعَبَته اِمْرَأته فَانّهن مِنَ الْحَقِّ

یعنی مرد مومن کا ہر کھیل بیکار ہے سوائے تین چیزوں کے:(۱) تیر اندازی کرنا، (۲) گھوڑے سدھانا (۳) اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا، کیوں کہ یہ تینوں کھیل حق ہیں۔]26[

2۔لباس و پوشاک سے متعلق: لباس اور پوشاک کے سلسلے میں یہ ضروری ہے کہ کھلاڑی کھیل کے دوران ایسا لباس پہنے، جو ساتر ہو یعنی جسم کا وہ حصہ چھپ جائے، جن کا چھپانا واجب ہے، یعنی مرد کے لیے ناف سے لے کر گھٹنے تک اور عورت کے لیے پورا جسم ستر میں داخل ہے، ان کا ڈھکا ہوا ہونا واجب ہے۔ لباس اتنا باریک اور چست بھی نہ ہو کہ جسم کے اعضا نمایاں ہوں۔اسی طرح

اس لباس میں کفّار کے ساتھ ایسی مشابہت نہ ہو کہ اس لباس کو دیکھنے سے کوئی خاص قوم سے مشابہت سمجھ میں آتی ہو۔ اور نہ اس لباس کا تعلق غیر اسلامی شعار سے ہو۔ مردوں کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ وہ لباس ٹخنوں سے نیچے نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَاأَسفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الازَارِ فِي النَّارِ

کہ جو شخص بھی ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہنے گا، وہ جہنم کی آگ میں جلے گا۔ [27]

ایک دوسری روایت میں ہے عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: "رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو زعفرانی رنگ کا کپڑا پہنے دیکھا، تو آپ نے فرمایا: "یہ کفار کا لباس ہے اس لیے اسے مت پہنو"۔ [28]

عبد اللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول روایت میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَشَبه بِقَوْمٍ فهوَ مِنهم

کہ جس نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کی اس کا تعلق اسی قوم کے ساتھ سمجھا جائے گا۔ [29]

3۔ پسندیدہ کھیل: تیر اندازی اور نشانہ بازی، سواری کی مشق، دوڑ لگانا، بیوی کے ساتھ بے تکلّفانہ کھیل، نیزہ بازی، تیراکی، کُشتی اور کبڈی۔ مذکورہ تمام کھیل چوں کہ احادیث و آثار سے ثابت ہیں اس لیے ان کے جواز بلکہ استحباب میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا، اور کبڈی کا حکم بھی کشتی کی طرح ہے۔

4۔ ناپسندیدہ کھیل: ان کے علاوہ جو کھیل کو درائج ہیں ان کی شرعی حیثیت کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ جن کھیلوں کی ممانعت کی گئی ہے، وہ سب ناجائز ہیں: جیسے نرد، شطرنج، کبوتر بازی، اور جانوروں کو لڑانا۔

البتہ موجودہ زمانے کے چند معروف کھیلوں کے حوالے سے مقاصد شریعت اور اھداف شریعت کی طرف دیکھا جائے گا اور بنیادی اصول وضوابط کو مدنظر رکھا جائے گا۔

أ) مثلاً پتنگ بازی جو کہ کبوتر بازی کے حکم کے ذیل میں آتی ہے یعنی ناجائز۔ اس میں بھی دیگر ناجائز کھیلوں کی طرح متعدد مفاسد پائے جاتے ہیں اور بعض علاقوں میں خاص مواقع پر "بسنت منانے" کے عنوان سے وہ ہلڑ بازی ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ! اس کے علاوہ قوم کے لاکھوں کروڑوں روپے محض پتنگ بازی کے نذر ہوجاتے ہیں۔ بعض اوقات چھتوں سے گر کر جان کا ضیاع بھی ہوتا ہے، کٹے ہوئے پتنگ کو زبردستی لوٹ لیا جاتا ہے، بے پردگی الگ ہوتی ہے، ان امورِ قبیحہ کی وجہ سے پتنگ بازی بھی شرعی نقطۂ نظر سے ممنوع ہے۔

ب) تاش بازی: یہ کھیل بھی شرعی نقطۂ نظر سے ممنوع ہے، اس لیے کہ تاش عام طور پر باتصویر ہوا کرتے ہیں۔ تاش کھیلنا عام طور پر فاسق وفاجر لوگوں کا معمول ہے۔ بالعموم اس میں جوا اور قمار کی شمولیت ہوتی ہے۔ اس کھیل میں تفریح کی جگہ پر الٹا ذہنی تکان ہوتی ہے۔ اگر جوے کے بغیر بھی کھیلا جائے، تو شطرنج کے حکم میں ہوکر مکروہ تحریمی کہلائے گا۔ بعض احادیث میں شطرنج کی ممانعت آئی ہے۔ جو مصلحت شطرنج کو منع کرنے میں ہے، وہی بات تاش کھیلنے میں پائی جاتی ہے۔

ج) باکسنگ، فائٹنگ: موجودہ زمانہ میں باکسنگ مُکّابازی، فری اسٹائل فائٹنگ کے جو مقابلے منعقد ہوتے ہیں، وہ شریعتِ اسلامی میں بالکل حرام ہیں، اسے جائز ورزش کا نام نہیں دیا جاسکتا، ایسے باکسنگ مقابلوں کو ٹی وی پر براہِ راست نشر کرنا بھی جائز نہیں، کیوں کہ اس میں فریق مقابل کو شدید جسمانی اذیت پہنچانے کو جائز تصور کیا جاتا ہے جس سے ہوسکتا ہے کہ مدِمقابل اندھے پن، سخت

نقصان، دماغی چوٹ یا گہری ٹوٹ پھوٹ، بلکہ موت سے بھی دوچار ہوجائے۔ اس میں مارنے والے پر اس نقصان کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے، جیتنے والے کے حامیوں کو اس کی جیت پر خوشی اور مقابل کی اذیت پر مسرت ہوتی ہے، جو اسلام میں ہر حال میں حرام اور ناقابل قبول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَاتُلْقُوابِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

البقرة–195

اور تم اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں مت ڈالو۔

د) بل فائٹنگ: اسی طرح بیلوں کے ساتھ کشتی جس میں تربیت یافتہ مسلح افراد اپنی مہارت سے بیل کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں، یہ بھی حرام ہے، کیوں کہ اس میں جانور کو ایذاء پہنچا کر اور جسم میں نیزے بھونک کر قتل کیا جاتا ہے اور بعض اوقات بیل بھی مدِ مقابل انسان کو ختم کر دیتا ہے یہ عمل کسی بھی حال میں درست نہیں، اس لیے کہ روایت میں ایک بلی کو بھوکا مارنے پر جہنم میں ڈالنے کا مضمون آیا ہے۔

ھ) کیرم بورڈ: یہ بھی فساق وفجار کا کھیل ہے اس سے بھی اجتناب کیا جائے تو بہتر ہے بعض علماء احناف کے نزدیک یہ کھیل اگر انہماک اور جوے کے بغیر کھیلا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

و) لوڈو: شطرنج اور کیرم بورڈ کے حکم میں ہے۔

ز) ویڈیو گیم: ان کا تعلق اگر تعلیم وتربیت سے ہو اور تصاویر و دیگر شرعی قباحتیں نہ پائی جائیں تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ ایک کھیل scrabble جس میں طالب علم حروف جوڑ کر ایک بامعنی لفظ یا کلمہ بناتے ہیں اور ان بامعنی لفظ کو بنانے کے لیے مختلف معاجم وغیرہ کا استعمال بھی کیا جاتا ہے۔

ح)ہاکی، فٹ بال، والی بال، ٹینس، بیڈ منٹن، کرکٹ: اگر ان کھیلوں کی نوعیت کسی معصیت، حرام یا ناجائز کام پر مشتمل ہو وہ بھی اس مقصد حرام کی وجہ سے ناجائز ہوں گے۔ مثلاً کسی کھیل میں ستر کھولا جائے، یا اس کھیل میں جوا بازی ہو، یا اس میں مرد و عورت کا مخلوط اجتماع ہو، یا اس میں موسیقی کا اہتمام ہو، یا کفار کی خاص مشابہت ہو، یا اس کی وجہ سے فرائض وواجبات میں غفلت ہو رہی ہو۔

ط)اسی طرح وہ کھیل جو بلا مقصد محض وقت گزاری کے لیے کھیلے جاتے ہیں، وہ بھی ناجائز ہوں گے۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں تو مومنوں کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ

وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ

المؤمنون–3

’’بیکار باتوں سے اعراض کرتے ہیں‘‘۔

معلوم ہوا کہ موجودہ دور میں مروّج کھیل مثلاً: ہاکی، فٹ بال، والی بال، ٹینس، بیڈ منٹن، کشتی، کرکٹ کی بعض شکلیں وغیرہ، جس میں بھرپور ورزش کا امکان ہوتا ہے، فی نفسہ ان کا کھیل درست ہے، لیکن چوں کہ عام طور پر ان کھیلوں میں اور ان کے لیے منعقد ہونے والے مقابلوں میں مندرجہ ذیل خرابیاں در آئی ہیں: (1) انہماک زیادہ ہونا (2) لوگ فرائض وواجبات سے غافل ہو جاتے ہیں (3) اسراف وتبذیر کی نوبت آتی ہے (4) وقت کا بے پناہ ضیاع ہوتا ہے (5) اکثر کھیلوں میں ستر پوشی کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہے۔ (6) اکثر جگہوں پر مرد و عورت کا اختلاط ہوتا ہے (7) محرمات: مثلاً بد نظری، گانا، ڈانس، ہلڑ بازی کا ارتکاب ہوتا ہے (8) بعض کھیل کے ماہرین کو قومی ہیرو اور آئیڈیل کا درجہ دے کر نونہالوں کے مستقبل سے کھلواڑ کیا جاتا ہے۔ (9) سٹے بازی، جوے بازی، میچ فکسنگ

اور اسپاٹ فکسنگ کا سیلاب بلاخیز آیا ہوا ہے لہٰذا مذکورہ خرابیوں کی وجہ سے ان کھیلوں کے عدم جواز کا حکم لگایا جاتا ہے۔

ی) تعلیم وتذکیر کے لیے فلموں کا استعمال: فلم درحقیقت عکس بندی کا نام ہے۔ یہ عکس بندی جاندار چیزوں کی بھی ہوتی ہے اور بے جان چیزوں کی بھی۔ کسی بھی جاندار کی تصویر کھینچنا اور کھینچوانا کسی حال میں بھی درست نہیں ہے۔ خواہ ہاتھ کے ذریعہ ہو، یا قلم سے یا کیمرہ کے ذریعہ ہو یا پریس پر چھاپ کر۔ یا سانچہ اور مشین میں ڈھال کر۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُصَوِّرُوْن

''قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا''۔[30]

اس کے علاوہ اور بھی متعدد صحیح احادیث ہیں، جن میں تصویر سازی کی مذمت کی گئی ہے۔ ویڈیو اور کیمرہ کی تصویر بھی درحقیقت تصویر ہی ہے۔ اس سلسلہ میں بعض غیر محتاط علماء کے ضعیف اقوال کو وجہ جواز نہیں بنایا جاسکتا، لہٰذا جان دار چیزوں کی فلم بندی کسی حال میں درست نہیں ہے، ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہیں۔ تعلیمی مقاصد وتذکیری مقاصد ضرورت میں شامل نہیں۔ جیسا کہ موجودہ دور میں کارٹون میں بچوں کی رغبت بہت زیادہ پائی جاتی ہے اور کارٹونز بچوں کی نفسیات اور ان کے مزاج پر انتہائی خطرناک اثرات مرتب کرتے ہیں اور بنیادی طور پر ان کا شمار بھی فلموں میں کیا جاسکتا ہے گو کہ بعض فقہاء نے نابالغ بچوں کے لیے باتصویر کھلونوں سے کھیلنے کو درست قرار دیا ہے لیکن اس سے کہیں بھی کارٹونز کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ملتی۔

ک) اسٹیج ڈرامہ: موجودہ زمانے میں جو ''اسٹیج شو'' کے نام سے ڈرامے مروّج ہیں، وہ مفاسد سے پُر ہوتے ہیں۔ اس لیے ممنوع ہیں۔ البتہ مدارس میں منعقد ہونے والے مکالمے، محادثے بالعموم اصلاحی تذکیری ہوتے ہیں اور مذکورہ مفاسد سے پاک

ہوتے ہیں، اس لیے ان کی گنجائش ہے۔ تمام تفریحات اور کھیل کود میں اصل یہ ہے کہ انسان کسی حال میں اپنے مقصدِ حیات اور فکر آخرت سے غافل نہ ہو۔

عہد رسالت کے حوالے سے متعدد اقسام کے کھیل کود اور مختلف تفریحات کا پتہ چلتا ہے اور ان کا ذکر بہت زیادہ روایات میں ملتا ہے ان میں سے چند معروف کا ذکر سطور ذیل میں کیا جائے گا ان میں سے کچھ جنگی کھیل ہیں جو صرف مرد حضرات کھیلتے تھے بچوں کے لیے الگ مردانہ قسم کے کھیل کود تھے بعض روایات میں لڑکوں اور لڑکیوں کے مشترکہ کھیلوں کا بھی ذکر ملتا ہے اسی طرح معصوم بچیوں اور لڑکیوں کے خاص نسوانی کھیلوں کا ذکر بہت دلچسپ انداز میں ملتا ہے اسی طرح خواتین اور عورتوں کے بعض تفریحی مشاغل کا پتہ چلتا ہے ان میں سے معروف کا ذکر درج ذیل ہے:

فوجی کھیل: رسول اللہ ﷺ نے مختلف اوقات میں مختلف طبقات وافراد کو تیر اندازی، شہسواری، تلوار بازی، نیزہ بازی، حرب انگیزی اور دوسرے فوجی کھیلوں کی ہمت افزائی کی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان کے حصول اور کمال پر ترغیب بھی دلائی۔ بالعموم یہ تفاصیل "کتاب الجہاد والسیر" کے ابواب میں ملتی ہیں جیسا کہ صحیح بخاری کا "باب التحریض علی القتال" "باب السبق من الخیل"، "باب التحریض علی الرمی" وغیرہ بلکہ عید الاضحی کے موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ ﷺ کی آڑ میں حبشی حضرات کے حربی کمالات دیکھنا۔ اس واقعہ سے اور اس کی شروح سے واضح ہوتا ہے کہ وہ مستقل قسم کے کھیل تھے صرف اسی موقع پر نہیں پیش کیے بلکہ ہر عید پر ان کا اہتمام کیا جاتا تھا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ اور اصل بات یہ ہے کہ کھیلنے والوں کے لیے اجازت نبوی بلکہ منشائے نبوی بھی

حاصل تھا۔ یعنی یہ کھیلنا جائز اور مباح بلکہ ان کا دیکھنا اور دکھانا بھی جائز اور مباح ہے اس قسم کے کھیلوں کی عصری مثالیں 6 ستمبر میں یوم فضائیہ پر فضائی مظاہرے اور فوجی کمالات کا تعلق اسی نوعیت سے ہے جنہیں دیکھا جا سکتا ہے۔

نشانہ بازی: نشانہ بازی خواہ تیر کے ذریعہ ہو یا نیزہ، بندوق اور پستول یا کسی اور ہتھیار کے ذریعہ ہو۔ اس کے سیکھنے کو باعثِ اجر و ثواب قرار دیا گیا ہے ۔یوں بھی یہ کھیل انسان کے ذاتی دفاع کے لیے بہت ضروری ہے۔ یہ اگر جسم کی پھرتی، اعصاب کی مضبوطی اور نظر کی تیزی کا ذریعہ ہے۔ وہیں یہ خاص حالات میں دشمنوں سے مقابلہ آرائی کے کام آتا ہے۔ قرآن کریم میں باضابطہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے:

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ

الانفال–60

اے مسلمانو! تمہارے بس میں جتنی قوت ہو، اسے کافروں کے لیے تیار کر کے رکھو۔

رسول کریم ﷺ نے اس "قوۃ" کی تفسیر رمی (تیر اندازی) سے کی ہے۔ آپ نے تین مرتبہ فرمایا:

ألا أَنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ

یعنی خبردار "قوۃ" پھینکنا ہے۔]31[

اس پھینکنے میں جس طرح تیر کا پھینکنا داخل ہے، اسی طرح اس میں کسی بھی ہتھیار کے ذریعہ مطلوبہ چیز کو نشانہ بنانا، راکٹ، میزائل وغیرہ کو ٹھیک نشانہ تک پہنچانا بھی داخل ہے اور ان میں سے ہر ایک کی مشق جہاں جسمانی لحاظ سے بہترین ورزش ہے، وہیں باعث اجر و ثواب بھی ہے۔]32[

ایک حدیث میں جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بے شک ایک تیر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تین افراد کو جنت میں داخل کر دیتا ہے۔ ایک تیر بنانے والا، جبکہ وہ تیر بنانے میں ثواب کی نیت رکھے۔ دوسرا تیر پھینکنے والا اور تیسرا پکڑنے والا، پس اے لوگو! تیر اندازی سیکھو"۔]33[

بلکہ تیر اندازی تو ایک ایسا فن تھا جس کی خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے بچپن میں اس کی مشق کی تھی اور یہ عرب میں بطور مشغلہ بھی تھا لیکن اس میں ایک بات بہت اہم ہے کہ تیر اندازی جائز اور مباح ہے لیکن پرندوں اور جانورں پر مشق کرنا اس سے رسول اللہ ﷺ نے قطعی طور پر منع کیا ہے۔ اس میں ایک دلچسپ واقعہ جو کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گذر قبیلہ بنو اسلم کے کچھ افراد پر ہوا تو ان کو تیر اندازی کرتے ہوئے پایا آپ نے ان کو بنو اسماعیل قرار دے کر فرمایا کہ تمہارے جد امجد بھی تیر انداز تھے لہٰذا تم تیر اندازی کرتے رہو اور میں بھی بنو فلاں کے ساتھ ہوں دوسرے فریق نے تیر چلانے سے ہاتھ روک لیے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو کیا ہو گیا ہے تم تیر کیوں نہیں چلاتے انہوں نے عرض کیا کہ ہم تیر کیسے چلائیں کہ آپ تو ان کے ساتھ ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تم بھی تیر چلاؤ اور میں تم سب کے ساتھ ہوں۔]34[

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیر اندازی کو عرب بطور ایک تفریحی مشغلہ اور کھیل کے طور پر بھی اختیار کیا کرتے تھے بلکہ بعد میں یہی تفریحی کھیل ان کی فوجی تربیت میں بدل جاتا تھا کہ سابقہ زمانے کی جنگوں میں تیر اندازی ایک بہت اہم ہتھیار تھا لہٰذا اس جنگی مہارت کا حاصل کرنا عمومی طور پر ایک فن حرب کی حیثیت سے معروف تھا۔

سواری: اس سے جسم کی پوری ورزش کے ساتھ انسان میں مہارت، ہمت وجرات اور بلند حوصلہ جیسی اعلیٰ صفات پیدا ہوتی ہیں اور سفر یا جہاد میں خوب کام آتا ہے۔ گو کہ قرآن وحدیث میں عام طور پر گھوڑے کا ذکر آیا ہے مگر اس سے ہر وہ سواری مراد ہے جو اس مقصد کو پورا کر سکے مثلاً ہوائی جہاز، ہیلی کاپٹر، بس، موٹر سائیکل، سائیکل وغیرہ۔ ان سب سواریوں کے چلانے کی مشق اور ٹریننگ اسلامی نقطۂ نظر سے پسندیدہ ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ جائز اور نیک مقاصد کے لیے انھیں سیکھا جائے اور استعمال کیا جائے۔

عربوں کی زندگی میں جن چند عناصر کو مرکزیت حاصل تھی ان میں ایک گھڑ سواری تھی مردوں کی مردانگی کا تو یہ ایک معیار تھا ہی خواتین بھی اس میں مہارت حاصل کرتی تھی قرن اول کی بے شمار جنگوں میں خواتین کی شہسواری ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ بلکہ کسی شخص کے لیے یہ امر باعث ندامت و شرمندگی ہوتا تھا کہ وہ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھنا نہ جانتا ہو بلکہ اسے بزدل کہا جاتا تھا اور بعض احادیث میں یہ دلچسپ درخواست بھی بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے خدمت رسالت میں پیش کی گئی کہ وہ گھوڑے کی پیٹھ پر جم کر نہیں بیٹھ سکتے لہٰذا ان کی یہ کمزوری دور ہو تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے یہ دعا کی اور کئی کمزور پشت حضرات کو صلابت حاصل ہوئی۔ خود رسول اللہ ﷺ کی شہسواری معروف تھی اور اس مقصد کے لیے آپ کے پاس کئی اونٹ اور گھوڑے تھے بلکہ حالت امن میں آپ نے کئی مرتبہ صحابہ کرام کے ساتھ شہسواری کے مقابلوں میں پہلا درجہ حاصل کیا (فتح الباری) جیسا کہ مختلف سیرت نگاروں اور مورخین نے ان کا ذکر کیا ہے جیسا کہ بلاذری نے بہت تفصیل سے ایسے مقابلوں کا ذکر کیا ہے۔

دوڑ: صحت اور توانائی کے مطابق ہلکی یا تیز دوڑ بہترین جسمانی ورزش ہے۔ اس کی افادیت پر سارے علماء کرام اور ڈاکٹر متفق ہیں۔

دوڑنے کی اسی افادیت کی وجہ سے صحابہ کرام عام طور پر دوڑ لگایا کرتے تھے اور ان میں آپس میں پیدل دوڑ کا مقابلہ بھی ہوا کرتا تھا۔ بلال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام کو دیکھا ہے کہ وہ نشانوں کے درمیان دوڑتے تھے اور بعض بعض سے دل لگی کرتے تھے، ہنستے تھے، ہاں! جب رات آتی، تو عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے۔[35]

بیوی کے ساتھ بے تکلّفانہ کھیل: مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ بے تکلفی کا کھیل بھی اسلام کی نظر میں مستحسن ہے۔ ممکن ہے بعض کو گراں گزرے کہ اس سے عورت سر پہ چڑھ جائے گی مگر عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ کے ساتھ تھی۔ میں نے آپ سے دوڑ لگائی اور آگے نکل گئی۔ کچھ عرصہ بعد پھر ایک سفر میں، میں نے رسول اللہ سے دوڑ لگائی اب میرے جسم پر گوشت چڑھ گیا تھا تو آپ مجھ سے آگے نکل گئے اور آپ نے فرمایا یہ اس کے بدلہ میں ہے۔[36] مذکورہ حدیث نبوی سے بیوی کے ساتھ تفریح کرنے اور دوڑ لگانے دونوں کی افادیت سمجھ میں آتی ہے، لیکن واضح رہے کہ حضور ﷺ کے یہ واقعات اس وقت کے ہیں، جب کہ قافلہ آپ کے حکم سے آگے جا چکا تھا اور وہاں نبی کریم ﷺ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی نہ تھا، وہ تنہا تھے۔ کسی اور کی موجودگی میں ایسا نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ یہ حیا کے خلاف ہے۔

بچوں کے کھیل: بچوں میں چونکہ کھیل کی طرف رغبت فطری طور پر پائی جاتی ہے لہٰذا عہد رسالت کے بچے بھی اس سے محروم نہ تھے خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے بچپن اور لڑکپن میں ان جائز اور پسندیدہ کھیلوں میں حصہ لیا

بالخصوص قبیلہ بنو سعد میں گزارا ہوا وقت اس امر پر شاہد ہے اور بعض روایات بھی اس پر شاہد ہیں جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ سیدنا جبریل علیہ السلام آئے اور آپ کا سینہ چاک کیا...الخ[37]اسی طرح جب آپ اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے وہاں بنو عدی بن نجار کے تالاب میں پہلی مرتبہ تیرنا سیکھا وغیرہ۔[38]انہی کھیلوں میں ایک کھیل کشتی کا بھی تھا جو کہ آپ نے اپنے لڑکپن میں سیکھا تھا۔اسی طرح صحابہ کرام اور ابناء الصحابہ کے بچپن کے کھیلوں کے واقعات کثرت سے روایات میں مذکور ہیں۔لیکن ان تمام کھیلوں میں جسمانی تربیت ونشو ونما کا پہلو بطور خاص ہمیں نظر آتا ہے۔بلکہ یہاں یہ بات بھی اہمیت کی حامل ہے کہ کچھ کھیل تو لڑکوں اور لڑکیوں کے مابین مشترکہ ہوا کرتے تھے لیکن کچھ کھیل صرف لڑکیاں آپس میں اپنی ہم جولیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں اور یہ کھیل عمومی طور پر گڑیوں اور دوسرے کھلونوں کے ساتھ ہوا کرتا تھا یہ نسوانی جبلت کے عین مطابق ہوتا ہے جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا گڑیوں کے ساتھ کھیلنے کا ذکر بعض صحیح احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے اور ان میں سے بعض کھیلوں میں تو خود رسول اللہ ﷺ تو بنفس نفیس دلچسپی لیا کرتے تھے جیسا کہ یہ روایات صحیح بخاری، سنن ابو داود وغیرہ میں مذکور ہیں۔قاضی عیاض اسی سے ایک فائدہ اخذ کرتے ہیں کہ اس طرح کے کھیلوں سے بچیوں میں خانگی تربیت کا موقع ملتا ہے۔اسی طرح جھولا جھولنا بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے مذکور ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قبل از نکاح انہیں جب بلایا گیا تھا تو اس وقت وہ جھولا جھول رہی تھی۔[39]

لڑکیوں کے ان کھیلوں سے متعدد سماجی روایات کا علم ہوتا ہے کہ زیادہ تر کھیل اندرون خانہ ہوا کرتے تھے، یہ گڑیائیں ان کی والدہ بنا کر دیتی تھی جو کہ تربیت کا ایک پہلو ہے، ان کھلونوں کی صورتیں اور تصویریں بھی ہوا کرتی تھیں جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس دو پر والا گھوڑا تھا۔

تیراکی: تیرنے کی مشق ایک بہترین اور مکمل جسمانی ورزش ہے، جس میں جسم کے تمام اعضاو جوارح کی بھرپور ورزش ہوتی ہے، یہاں تک کہ سانس کی بھی ورزش ہوتی ہے۔ سیلاب آنے کی صورت میں ایک ماہر تیراک انسانیت کی بہترین خدمت کر سکتا ہے۔ نشیبی علاقوں میں عام طور پر قریب میں ندی نالے تالاب وغیرہ ہوتے ہیں اور ان میں ڈوبنے کے واقعات بھی عام طور پر پیش آتے رہتے ہیں۔ ایسے حادثاتی مواقع پر ماہر تیراک لوگوں کی جان بچانے کی کامیاب کوشش کر سکتا ہے۔ لہٰذا تیراکی جہاں تفریحِ طبع اور جسمانی ورزش کا عمدہ ذریعہ ہے، وہیں بہت سے دیگر سماجی فوائد کی حامل بھی ہے۔

کشتی اور کبڈی: اس کھیل میں ورزش کا بھرپور سامان ہے۔ اگر ستر کی رعایت اور انہاک کے بغیر کھیلا جائے تو جائز ہوگا بلکہ نیک مقصد کے لیے مستحسن ہے۔ عرب کے ایک مشہور پہلوان رکانہ نے رسول اللہ ﷺ سے کشتی لڑی، تو آپ ﷺ نے اس کو کشتی میں بچھاڑ دیا۔[40] کبڈی کا حکم بھی کشتی کی طرح ہے۔

مخصوص مواقع پر بھی کھیلوں کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ درج ذیل کچھ مواقع درج کیے جا رہے ہیں:

خیر مقدمی کھیل:

بسا اوقات مہمانوں اور اقارب کی آمد کے استقبال میں کچھ کھیلوں کا جس میں کچھ جسمانی کرتب یا فضائی مظاہرے منعقد کئے جاتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ بنیادی آداب کو مد نظر رکھا جائے۔ جیسا سنن ابی داؤد کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ ہجرت کی آمد کے موقع پر جہاں بچیوں سے کچھ اشعار منسوب ملتے ہیں وہاں ماہر فنون حبشیوں نے اپنے کرتب اور کھیل بھی دکھائے تھے۔[41]اور صحیح ابن حبان کی روایت میں ہے کہ جب حبشہ کا وفد آیا تو حبشی مسجد میں اپنے کھیل دکھانے لگے۔

عید کے کھیل کود:

جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عید یعنی خوشی کی مناسبت سے مدینہ میں کچھ حبشیوں نے فوجی کرتب دکھائے بلکہ اس پر قیاس کرتے ہوئے موجودہ معاشرت میں بھی عید کی مناسبت سے اگر کچھ کھیلوں کا انعقاد کر لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن بنیادی آداب کی مخالفت نہ ہو۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں ایام عید بطور قومی تقریبات کے طور پر منائی جاتی تھی ان میں شرعی حدود و قیود کی پابندی کرتے ہوئے کھیل کھیلے جاتے تھے۔

عصر حاضر اور کھیل و تفریح:

اگر عصر حاضر کو دیکھا جائے تو ذرائع ابلاغ کا عوام الناس کو تفریح فراہم کرنے میں بہت اہم کردار ہے لیکن المیہ یہ ہے کہ ان پر مغرب کا تسلط و قبضہ ہے جن کے نزدیک تفریح صرف اور صرف "شراب، عورت اور موسیقی" ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی ذرائع ابلاغ تفریح اور کھیل کے نام پر عریانی و فحاشی، بے ہنگم موسیقی، شراب نوشی، جوئے بازی، لاٹری، فحش ایپی سوڈ، مخلوط مجالس، اور گرل فرینڈ، بوائے فرینڈ کا تصور پیش کرتے ہیں جس سے معاشرے میں

حرص وہوس، صحت واخلاق کی خرابی، ذہنی بے سکونی اور جنسی پیاس میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان کو "آرٹ یا فن" کا نام دیا جاتا ہے اور اعلی تہذیب کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ جس کا نمونہ وہ مختلف طرح کی پارٹیوں، کرسمس ڈے، ویلینٹائن ڈے اور نئے سال کی آمد وغیرہ پر پیش کرتے ہیں۔ ان تمام چیزوں نے عوام الناس میں اخلاقی بے راہ روی، دین واخلاق سے بے زاری اور خاندانی نظام کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ جس کی مثال خود مغربی معاشرے ہی میں دیکھی جا سکتی ہے۔

خود ہمارے یہاں نوجوانوں کا دین، اخلاق اور صحت و توانائی برباد ہو رہی ہے۔ بچے قبل از وقت جوان ہو رہے ہیں اور اپنے ناپختہ ذہن و شرم کی وجہ سے وہ والدین یا دوسرے اعزہ واقارب کو بتا بھی نہیں سکتے۔ ان کے والدین ان کو معصوم سمجھ کر غافل رہتے ہیں۔ اس وقت مسلم نوجوان لڑکے لڑکیوں کے آئیڈیل ہیرو اور ہیروئن ہیں۔ ان کی ہی نقل کی جاتی ہے، ان کے جیسا لباس، حلیہ، بات چیت اور طور طریقہ اپنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دیکھا جائے تو لڑکوں نے نازک اداؤں اور بننے سنورنے میں لڑکیوں کو بھی مات دے دی ہے۔ ظاہر ہے ان سے دین کی اشاعت و تبلیغ تو دور فسادات میں اپنا دفاع کرنے اور ماؤں بہنوں کو بچانے کی امید کیوں کر کی جا سکتی ہے؟؟

اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے کہ عوام الناس کے لیے تفریح کا سامان ضرور فراہم کیا جائے لیکن اس میں مغربی معاشرے کی نقالی نہ ہو۔ اس مقصد کے لیے معلوماتی پروگرام، سائنسی کمالات، اہم مقامات، تاریخی عمارتیں، باغات، مصوری (جاندار کے علاوہ)، آرٹ، مناظرِ فطرت، مزاحیہ خاکے، سمندری دنیا کے مشاہدے، اصلاحی وپروگرامز، جانوروں کی دنیا، مجاہدینِ اسلام کی داستانیں وغیرہ پیش کی جا سکتی ہیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

[2]بدائع الفوائد

[3]الجامع الصغیر لجلال الدین السیوطي(3/18)،مسند الشھاب:باب من یزرع خیرا یحصد رغبة....(موضوع)

[4]بخاري:کتاب الجھاد والسیر،باب من یعوذ من الجبن

[5]بخاري:کتاب الجھاد والسیر،باب من یعوذ من الجبن

[6]ترمذي:کتاب الزھد باب في من تکلم بکلمة لیضحک الناس

[7]المعجم الاوسط للطبرانی:باب میم(حسن لغیرہ)ومعجم الزوائد ص8/303

[8]الشمائل المحمدیہ للترمذی:باب الجنۃ لاتدخلھا عجوز

[9]جامع ترمذی:کتاب البر وصلة،باب ماجاء فی المزاح

[10]جامع ترمذی:کتاب البر وصلة،باب یاذاالأذنین

[11]سنن أبي داود:کتاب الأدب،باب ماجاء فی المزاح

[12]مجموع الفتاویٰ:7/273:

[13]الحلیة لأبي نعیم:4/96،والفردوس،للدیلمي و3/578:

[14]ابوداؤد:کتاب الأدب،باب في التشدید في الکذب

[15]مسند احمد:

[16]تفسیر ابن کثیر:7/376

[17]شعب الایمان للبیھقی5/310

[18] صحیح مسلم:کتاب البر والصلة،باب تحریم الظلم…

[19]رواہ ابوداؤد:کتاب الأدب،باب من یأخذ الشيء علي المزاح

[20]رواہ ابوداؤد:کتاب الأدب،باب لایأخذن أحدکم متاع أخیہ.…

[21]احیاء علوم الدین للغزالی3/129

[22]ترمذي: كتاب الزهد باب في من تكلم بكلمة ليضحك الناس

[23]ترمذي: كتاب الزهد، باب من اتقى المحارم

[24]رواه أبو داود: كتاب الأدب، باب في تنزيل الناس منازلهم

[25]رواه مسلم: كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الغيبة

[26]سنن الدارمي: كتاب الجهاد، باب في فضل الرمي

[27]بخاري: كتاب اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار

[28]مسلم: كتاب اللباس والزينة، باب النهي عن لبس الرجل...

[29]ابو داؤد: كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة

[30]بخاري: كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة

[31]مسلم: كتاب الإمارة، باب فضل الرمي

[32]بذل المجهود: 11/428

[33]سنن أبو داؤد: كتاب الجهاد، باب في الرمي

[34]صحيح بخاري: كتاب الجهاد والسير، باب التحريض علي الرمي

[35]مشکوٰۃ: 407

[36]سنن ابی داؤد

[37]كتاب الايمان، باب الاسراء برسول الله

[38]ابن سعد، ج1 ص73

[39]مسلم، كتاب النكاح

[40]ابو داؤد فی المراسیل

[41]سنن ابو داود: كتاب الادب، باب فی الغنا

(8) دنیا میں عذابِ الٰہی کی صورتیں

ہماری روحوں پر ہمارے اعمال کے اثرات مُرتب ہوتے ہیں۔ اعمالِ صالحہ سے رُوح کا تزکیہ ہوتا ہے اور ایک سکُون، اطمینان اور راحت اِسی دُنیا میں نصیب ہوتی ہے۔ بداعمالیوں کے اثرات بھی روح پر مرتب ہوتے ہیں۔ بداعمالیوں سے رُوح بیمار ہوجاتی ہے اور کراہنے لگتی ہے۔ اگر مرض حدود سے متجاوز نہ ہوگیا ہو اور رُوح پر موت نہ طاری ہو تو مریض رُوح کے دردو کرب کو محسوس کرتا ہے اور اس کی کراہ سُنتا ہے۔ رُوح کا دردو کرب بھی عذاب کی ایک صُورت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ

الرحمٰن-46

"اور اس شخص کے لئے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا دو جنتیں ہیں"۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر فرماتے تھے کہ:

إن في الدنيا جنة من لم يدخلها لن يدخل جنة الآخرة

"اس دنیا میں بھی ایک جنت ہے، جو اس میں داخل نہ ہُوا، وہ آخرت کی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا"۔

جناب عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جنت دبستانِ من در سینۂ من است ہر جا کہ بنشینم بھار خویشتم۔"

یعنی میری بہشت میرے سینے میں، جو درودِ رحمت اور انوارِ الٰہی کے نزول سے پیدا ہوئی ہے میں جہاں بیٹھ جاتا ہوں وہیں باغ و بہار ہوجاتی ہے۔

اگر روح کی یہاں تربیت نہ کی جائے، اس کا تزکیہ نہ ہو اور بداعمالیوں میں مُبتلا ہوکر بیمار ہوجائے، تورُوح آخرت میں بھی بیمار رہے گی۔ قرآن مجید کی بہت سی آیتیں اس حقیقت پر روشنی ڈالتی ہیں:

وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا

الاسراء-72

''جو اس دنیا میں راہ نجات سے اندھا ہے، وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا، بلکہ اور زیادہ گم کردہ راہ ہو جائے گا''۔

یعنی روح کے ہدایت پانے اور صحت مند ہونے کا تعلق اعمالِ صالحہ سے ہے اور اعمالِ صالحہ کا تعلق دار العمل سے ہے۔ جب دار العمل سے انسان دار الجزاء میں منتقل ہو گیا تو اعمال کا سلسلہ بھی منقطع ہوا۔ پھر روح کے لیے شفا پانا کیوں کر ممکن رہا الا 'من رحم ربی'۔ پس بد اعمالیوں سے جو عذاب روح پر طاری ہوتا ہے، وہ عذاب اس دنیا میں، عالم برزخ میں اور آخرت میں مسلسل چلتا ہے۔ بد اعمالیوں کی سزا اس دُنیا میں بھی ہم کو بھگتنی پڑتی ہے اور آخرت کا عذاب تو دردناک ہے۔ قوم عاد نے جب ہود علیہ السلام کی نافرمانی کی تو اِسی دُنیا میں انھیں ملعون قرار دیا گیا:

وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً

هود-60

''اور اسی دنیا میں ان پر لعنتیں بھیجی گئیں۔''

وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ اسی دُنیا میں اللہ اُن پر لعنتیں بھیجتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا

الاحزاب-57

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لئے نہایت رسوا کن عذاب ہے''۔

لعنت کی حقیقت:

لعنت کی حقیقت کیا ہے؟ لعنھم اللہ کے معنٰی ہیں ابعدہ عن الرّحمۃ، اللہ نے اس پر لعنت کی یعنی اُسے اپنی رحمت سے دُور کیا۔ جیسے مچھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی،

اسی طرح ہماری ارواح اللہ کی رحمت کے بغیر صحت مند اور توانا نہیں رہ سکتیں۔ جیسے مچھلی پانی سے باہر تڑپتی ہے، اسی طرح انسان کی رُوح بھی اُس رحمت کے بغیر تڑپتی ہے۔ انسان کا ملعون ہونا یہی ہے کہ اُسے اللہ کی رحمت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اُس کی رحمت سے سیراب نہ ہونے کی وجہ سے رُوح مُرجھا جاتی ہے۔ اِس پر افسردگی اور پژمردگی طاری ہو جاتی ہے اور وہ ایک درد و کرب محسوس کرتی ہے۔ بد اعمالیوں کی سب سے پہلی سزا جو اس دُنیا میں ملتی ہے، وہ ملعون ہونا ہے اور اس کی رحمت سے دُور ہونا ہے، رُوحانی اذیّت میں مُبتلا ہونا ہے، اندیشہ ہائے دُور و دراز میں گرفتار ہونا ہے، سر کا کھولنا، رُوح کا درد و کرب میں مبتلا ہونا ہے۔

ذلّت و رسوائی:

جب نافرمانی اور بڑھے تو اس کا عذاب ذلّت و رسوائی کی صورت میں ہوتا ہے۔ لوگوں کے دلوں سے اس کی عزّت اُچک لی جاتی ہے۔ معاشرے میں اُسے ذلیل و رُسوا کیا جاتا ہے۔ اس کے گناہوں کی تشہیر کی جاتی ہے۔ اُس کے عیوب کا پردہ چاک کیا جاتا ہے۔ قرآن اس عذاب کو 'خزی' سے تعبیر کرتا ہے۔ قرآن مجید نے کہا: تم قرآن کے بعض حصّوں کو مانتے ہو اور بعض حصوں سے انکار کرتے ہو:

فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

البقرۃ-85

''اس کا صِلہ تمھیں اس کے سوا کیا مِل سکتا ہے کہ زندگی میں تمھیں ذلیل و رسوا کیا جائے''۔

ایک دوسری جگہ کہا:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ

البقرۃ-114

اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کئے جانے کو روکے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے، ایسے لوگوں کو خوف کھاتے ہوئے اس میں جانا چاہیئے، ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے۔

حضور اقدس ﷺ کو ایذاء دینے والوں کا حشر:

قرآن وضاحت سے کہتا ہے کہ جو لوگ نبی ﷺ کو ایذاء دیتے ہیں، اللہ اسی دُنیا میں اُن پر لعنتیں بھیجتا ہے۔

(1) ابولہب جس کا نام عبدالعزیٰ تھا، نبی ﷺ کا حقیقی تایا تھا۔ رسول ﷺ نے جب بعثت کے بعد قریش کو اکٹھا کیا اور اللہ کا پیغام سُنایا تو سب سے پہلے ابولہب ہی نے تکذیب کی اور کہا:

تبّاًلك الِهٰذا جمعتنا

" تیرا ناس ہو۔ کیا اسی لیے تو نے ہمیں اکٹھا کیا تھا"؟

اسی پر یہ سورۃ نازل ہوئی :

تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ

المسد-1

" ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ برباد ہُوا"۔

واقعہ بدر کے سات روز بعد ابولہب کو ایک زہریلا دانہ نکلا، بیماری متعدی تھی، کوئی قریب نہیں پھٹکتا تھا، سارے بدن میں زہر سرایت کر گیا، اِسی حالت میں فوت ہوا۔ تین دن تک لاش پڑی رہی، فضا متعفّن ہو گئی۔ اُس کے گھر والے اس اندیشے سے کہ اس کی بیماری کہیں اِنہیں نہ لگ جائے، اسے ہاتھ نہ لگاتے تھے۔ چند حبشی مزدوروں کو بُلا کر لاشے کو اُٹھایا گیا۔ مزدوروں نے ایک گڑھا کھودا اور لکڑیوں سے دھکیل کر اُس کے لاشے کو گڑھے میں ڈال دیا[1] یہ ہے:

وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً

اور یہ ہے

خِزۡيٌ فِي الۡحَيَاةِ الدُّنۡيَا

(2)ابو جہل اس امت کا فرعون تھا، اس کی انانیت کو اس طرح عذاب دیا گیا کہ دو بچوں کے ہاتھوں مارا گیا۔]2[

(3)عاص بن وائل سہمی سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے والد تھے، آپ ﷺ کا ٹھٹھا اُڑاتے تھے۔ نبی ﷺ کے ہاں جتنے بیٹے ہوئے اُن کی زندگی میں ہی وفات پا گئے۔

عاص نے کہا:

انّ محمّدا ابتر لا یعیش له ولد

''محمد مقطوع النسل ہیں ان کا کوئی لڑکا زندہ نہیں رہتا''۔

اسی پر یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ

الکوثر–3

''آپ کا دشمن ہی مقطوع النسل ہے''۔

ہجرت کے ایک ماہ بعد کسی جانور نے پیر پر کاٹا، اس قدر پھولا کہ اُونٹ کی گردن کے برابر ہو گیا، اسی میں عاص کا خاتمہ ہوا۔] 3[

(4)اسود بن مطلب اور اُس کے ساتھی جب کبھی آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو دیکھتے، آنکھیں مٹکاتے۔ آپ نے بد دُعا فرمائی کہ اے اللہ اسود کو اس قابل نہ چھوڑ کہ یہ آنکھیں مٹکا سکے۔ اسود ایک کیکر کے درخت کے نیچے جا کر بیٹھا ہی تھا کہ اپنے لڑکوں کو آواز دی:

''مجھے بچاؤ! مجھے بچاؤ! میری آنکھوں میں کوئی کانٹے چبھو رہا ہے''۔ لڑکوں نے کہا ''ہمیں تو کوئی نظر نہیں آتا''۔ اسود چلّاتا رہا، مجھے بچاؤ، میری آنکھوں میں کوئی کانٹے چبھو رہا ہے، یہ کہتے کہتے وہ اندھا ہو گیا۔] 4[

اسود بن عبد یغوث نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا تھا۔ اُسے اپنی عقل پر بڑا ناز تھا۔ ایسی بیماری ہُوئی کہ مُنہ سے پاخانہ آتا تھا۔ اسی بیماری میں فوت ہُوا! یہ ہے تفصیل اس آیت کی:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا

الاحزاب-57

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لئے نہایت رسوا کن عذاب ہے"۔

نبی کریم ﷺ کو ایذا دینے والوں کی ہلاکت اور تباہی کی تفصیلات حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ، جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، طبرانی رحمہ اللہ اور بیہقی رحمہ اللہ نے دی ہیں۔

عذاب کی انواع واقسام:

جیسے اُس کی نوازشیں بے حد وحساب ہیں، اُس کے عذاب کی قسمیں بھی بے شمار ہیں۔ وہ بڑا لطیف اور حکیم ہے، وہ اس کائنات کی جس شے کو چاہے عذاب میں بدل دے، یہ ہوا جس سے انسان کے سانس کی آمد وشد جاری ہے، وہ جب چاہتا ہے اس ہوا کو طوفان اور آندھی بنا دیتا ہے۔

وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ

الحاقۃ-6

"قومِ عاد کو زنّاٹے کی آندھی سے ہلاک کر دیا گیا"۔

فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ

الحاقۃ-7

"اِس آندھی میں تُم یوں انہیں بچھڑا ہوا دیکھو گے، گویا وہ کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہیں"۔

یہ پانی جو بقائے حیات کے لیے ناگزیر ہے، وہ جب چاہتے ہیں اسے طغیانیوں میں بدل دیتے ہیں:

لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ

ھود-43

''نوح علیہ السلام کی قوم سیلاب میں ڈوب گئی اور اُس کی زَد سے کوئی نہ بچ سکا۔ ان کے سوا جن پر اللہ نے رحم کیا۔''

یہ آواز جو مطالب کے اظہار کے لیے از بس ضروری ہے۔ وہ جب چاہتے ہیں اُس آواز کو عذاب میں بدل دیتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ

العنکبوت-40

''ان میں سے کچھ ایسے تھے جو چنگھاڑ کی گرفت میں آ گئے''۔

یہ زمین جس پر ہم چلتے ہیں، جب اس کی مشیت ہوتی ہے، تو زمین انکار کر دیتی ہے کہ ہم اُس پر چل سکیں:

وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ

العنکبوت-40

''ان میں سے کچھ ایسے تھے، جنھیں ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور بعض کو ہم نے غرق کر دیا، اللہ تو کسی پر زیادتی نہیں کرتا ہے، یہ انسان ہی ہیں جو اپنے آپ پر ظلم ڈھاتے ہیں''۔

وہ اللہ لطیف و حکیم ہیں، جب چاہتے ہیں نعمت کو عذاب میں بدل دیتے ہیں۔ مال اگر اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے، تو اللہ کی نعمت ہے اور یہی مال اگر اللہ سے عزیز تر ہو جائے، اندیشہ و غم کا باعث ہو اور بخل، خست اور دنایت پر آمادہ کرے تو وہ عذابِ الٰہی بن جاتا ہے۔ اِسی طرح اولاد اگر صالح ہو تو اللہ کی دین ہے اور یہی اولاد

اگر اللہ سے دُور ہٹادے اور حجاب بن جائے تو عذابِ الٰہی ہے۔ہاں اللہ کا عذاب کبھی مال اور اولاد کی صورت میں بھی ہوتا ہے:

فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

التوبة-55

''ان کا مال ومنال اور اُن کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالے،یہ تو محض اِس لیے کہ اللہ اِس دُنیا کی زندگی میں اُنھیں عذاب میں مُبتلا کرے''۔

طُغیانیاں اب بھی آتی ہیں، طوفان اب بھی اُٹھتے ہیں، زلزلوں سے بستیاں اب بھی ویران ہوتی ہیں، زمین میں بستیوں کے دھنس جانے کی خبریں اب بھی اخباروں ہم پڑھتے ہیں، مگر ایک ایسی غفلت ہم پر چھا گئی ہے، ایک ایسی قساوت دلوں پر طاری ہے کہ اِن بربادیوں کو دیکھتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ یہ محض اتفاقات ہیں، جو اِس دُنیا میں رُونما ہوتے ہیں۔ اللہ کہتا ہے یہ محض اتفاقات نہیں ہیں:

فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ

الاعراف-96

''ہم نے تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا''۔

فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ

التوبة-70

''اللہ کی شان کے تو یہ شایان نہ تھا کہ وہ بے سبب لوگوں پر ہلاکت اور تباہی لاتا، مگر وہ خود اپنی جانوں پر پیہم ظلم ڈھاتے رہے''۔

وہ لوگ جن کے مزاج پر بہیمیت کا غلبہ ہوتا ہے، ہمیشہ سے عذابِ الٰہی کو اتفاق قرار دیتے رہے ہیں۔ شیطان اُن کے جی میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ تم دانشور ہو، عبقری ہو، عذاب وثواب توہمات کی باتیں ہیں اور بے وقوف لوگ ان توہمات کو مانتے ہیں۔

قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ

البقرۃ-13

’’اُنہوں نے کہا کیا ہم اِن باتوں کو مان جائیں، جیسے یہ بے وقوف لوگ مانتے ہیں، سُن لو یہ لوگ خود بے وقوف ہیں مگر انہیں وقوف نہیں کہ وہ بیوقوف ہیں‘‘۔

بعض لوگوں کی عقل موٹی ہوتی ہے اور انہیں احساس اور اعتراف ہوتا ہے کہ وہ ذہنی صلاحیتوں سے محروم ہیں۔اُن کی عاجزی اور فروتنی ان کے عیب پر پردہ ڈال دیتی ہے بعض لوگ بے وقوف ہوتے ہیں اور انہیں اپنے آپ پر دانشور اور عبقری ہونے کا گمان ہوتا ہے، ایسے بے وقوفوں کی حالت بڑی مضحکہ خیز ہوتی ہے۔اللہ اس آیت میں یہ کہہ رہا ہے کہ یہ نام نہاد دانشور اُن بیوقوفوں میں سے ہیں، جنہیں یہ وقوف بھی نہیں کہ وہ بے وقوف ہیں۔

اس ملک کے دانشوروں سے بھی جب ہم آج کہتے ہیں کہ مشرقی پاکستان کا سقوط اللہ کا ایک دردناک عذاب ہے، تو وہ کہتے ہیں اس میں عذاب کی کیا بات ہے ؟قوموں کو کبھی فتح ہوتی ہے کبھی شکست ہوتی ہے:

بَلۡ قَالُوا مِثۡلَ مَا قَالَ الۡأَوَّلُونَ

المؤمنون-81

’’تاریخ گواہی دیتی ہے کہ فراستِ ایمانی سے محروم انسان ہمیشہ سے ایک جیسی باتیں کرتے رہے ہیں‘‘۔

سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد ہماری غفلت اور شقاوت شدید تر ہو گئی۔ہم انفرادی اور احتماعی بداعمالیوں میں یُوں چھوٹ ہو گئے ہیں، جیسے ہم اللہ کی زد سے باہر ہو گئے ہوں یا جیسے اس ملک میں اللہ کا قانونِ جزا و سزا معطّل ہو گیا ہو، یہ کیفیت سخت ہلاکت آفرین ہے:

أَفَأَمِنَ أَهۡلُ الۡقُرَىٰ أَنۡ يَأۡتِيَهُمۡ بَأۡسُنَا بَيَاتًا وَهُمۡ نَائِمُونَ، أَوَأَمِنَ أَهۡلُ الۡقُرَىٰ أَنۡ يَأۡتِيَهُمۡ بَأۡسُنَا ضُحًى وَهُمۡ يَلۡعَبُونَ أَفَأَمِنُوا مَكۡرَ اللّٰهِ فَلَا يَأۡمَنُ مَكۡرَ اللّٰهِ إِلَّا الۡقَوۡمُ الۡخَاسِرُونَ

الاعراف-99/97

’’بستیوں میں رہنے والوں کو کس نے ضمانت دی ہے کہ ہمارا عذاب راتوں رات اُن پر نازل نہ ہو گا، جب وہ بے خبر سو رہے ہوں گے۔ کیا بستیوں میں رہنے والوں نے اپنے آپ کو محفوظ سمجھ لیا ہے کہ ہمارا عذاب دن دہاڑے اُن پر نازل نہ ہو گا ،جب وہ کھیل کُود میں لگے ہوں گے۔ کیا اللہ کی چال سے وہ محفوظ ہو بیٹھے ہیں؟ اللہ کی چال سے اپنے آپ کو وہی لوگ محفوظ سمجھتے ہیں، جو خائب وخاسر ہیں“۔

[1]روح المعانی، ص262،ج:2

[2] صحیح البخاری: کتاب الجہاد، ص:443،ج:1

[3]ابن الاثیر، ج:2[4]ابن الاثیر، ج:2ص:27

(9) کفار سے مشابہت

الشیخ محمد طاہر آصف حفظہ اللہ

مشابہت کا مفہوم

لغوی اعتبار سے لفظ "التشبہ" مشابہت سے ماخوذ ہے اور مشابہت نام سے مماثلت، نقل، تقلید اور پیروی کا۔ نیز مشابہت سے مراد وہ چیزیں ہیں جو آپس میں ملتی جلتی ہوں لہذا جب یہ کہا جائے کہ فلاں نے فلاں کی مشابہت اختیار کی تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی نقل اور پیروی اختیار کر کے اس جیسا ہو گیا۔

ایسی مشابہت جس سے قرآن وسنت میں ممانعت آئی ہے۔ کفار کے عقائد و عبادات یا ان عادات واطوار میں مشابہت جو ان کی پہچان ہیں کسی طرح جائز نہیں اسی طرح معاشرے کے غیر صالح افراد سے مشابہت بھی ناجائز ہے۔ اگرچہ بظاہر وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسے بدکار، فاسق وفاجر اور جہلاء وغیرہ اسی طرح وہ بدو گنوار بھی اس زمرے میں آتے ہیں جن کے دلوں میں ایمان پوری طرح راسخ نہیں ہوا ان کی تفصیل ان شاءاللہ آگے آئے گی۔

مشابہت کے باب میں یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ چیزیں مشابہت کے ضمن میں نہیں آتیں جن کا تعلق کفار کے عقائد، عبادات یا عادات وغیرہ سے نہیں یا وہ چیزیں جو ان کی پہچان یا ان کے ساتھ خاص نہیں وہ باتیں بھی جو کسی شرعی حکم کے خلاف نہیں اور نہ ان کے کرنے سے کسی فتنہ و فساد پھیلنے کا ڈر ہے۔

کفار کی مشابہت سے کیوں منع کیا گیا ہے؟

ابتدائی طور پر ہمیں اسلام کا یہ اصول سمجھ لینا چاہیے کہ دین کی بنیاد تسلیم ورضا اور اطاعت پر ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت۔ اطاعت نام ہے اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق کا۔ اللہ کے احکام کی بجا آوری اور منع کی گئی چیزوں سے اجتناب اور آپ ﷺ کی مکمل اتباع وپیروی کا۔ جب یہ اصول ہم نے سمجھ لیا تو پھر ایک مسلمان کو چاہیے کہ:

☆ ہر اس بات کے سامنے سر تسلیم خم کر دے جو رسول مقبول ﷺ کی طرف سے ہو۔

☆ آپ ﷺ کی اطاعت اور احکام کی تعمیل کرے جن میں سے ایک مشابہت کفار سے اجتناب کا حکم ہے۔

☆ جب ایک مسلمان تسلیم ورضا کے ساتھ مطمئن ہو جائے، اللہ تعالی کی بیان کردہ اور عطا کی ہوئی شریعت پر مکمل اعتماد اور کامل یقین کے ساتھ اطاعت بجائے تو پھر اس کے لیے جائز ہے کہ وہ شرعی احکام کی وجوہات، اسباب اور حکمتیں تلاش کرے۔

یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کفار کی مشابہت سے روکنے کے لئے بہت سارے اسباب ہیں اور ارباب عقل ودانش اور خوش فطرت لوگوں کو ان سے اکثر کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔

☆ کفار کے تمام اعمال کی بنیاد گمراہی اور فساد پر ہے: کفار کے اعمال کے متعلق یہ ایک طے شدہ اصول ہے کہ ان کے اعمال آپ کو پسند آئیں یا آپ انہیں ناپسند کریں۔ وہ اعمال بظاہر فتنہ انگیز ہوں یا فساد ان کے باطن میں چھپا ہوا ہو۔ ان کے اعمال کی بنیاد بہر حال گمراہی، انحراف اور فساد پر ہی ہے۔ ان کے عقائد ہوں یا عادات وعبادات عام طور اطوار ہوں یا جشن وتہوار۔ یہ سب کے سب خیر وبھلائی سے یکسر خالی ہیں۔ فرض کریں ان میں کوئی اچھی بات ہو بھی تو ان کے

لئے سود مند نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس پر اجر وثواب نہ پاسکیں گے۔ جیسا کہ فرمان ربانی ہے:

وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا

''اور ہم ان کے اعمال کی طرف متوجہ ہونگے جو انہوں نے کیے پس ہم انہیں اڑتی ہوئی خاک کی مانند بنادیں گے''۔

کفار سے مشابہت:

یہ چیز اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کا سبب بننے کے ساتھ ساتھ اسے مسلمانوں کے صراط مستقیم سے ہٹا کر گمراہی کی طرف لے جاتی ہے جس کے متعلق شدید وعید آئی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا

النساء-115

''جو شخص رسول ﷺ کی مخالفت کرے اور اہل ایمان کی راہ چھوڑ کر کسی اور راہ پر چلے درآں حالیکہ اس پر ہدایت کی راہ واضح ہو چکی ہے، تو وہ اس کو اس طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین ٹھکانہ ہے۔''

☆مشابہت اختیار کرنے والا اور جس کی مشابہت اختیار کی جارہی ہے دونوں کے مابین اسی مشابہت کی بنا پر ایک ظاہری مناسبت اور ارادت مندی پیدا ہو جاتی ہے پھر اس قلبی میلان اور موافقت کے ساتھ ساتھ قول و عمل کی ہم آہنگی بھی جنم لیتی ہے۔ جبکہ یہ بات ایمان کے منافی ہے جو کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتی۔

☆ اکثر اوقات یہی مشابہت، کفار سے دلبستگی کا سامان پیدا کر کے دل میں ان کے لیے پسندیدگی کا جذبہ ابھارتی ہے اور یوں ان کا مذہب، عادات واطوار، ان کی باطل پرستی اور شر انگیزی حتی کہ ان کی ہر بری بات بھی بھلی لگنے لگتی ہے۔

اس قلبی میلان اور پسندیدگی کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سنت مطہرہ کی اہمیت کم ہو جاتی ہے اور وہ رشد و ہدایت جسے رسول مقبول ﷺ لے کر آئے اور جسے سلف صالحین نے اپنا منہج بنایا تحقیری، ناقدری اور بے توجہی کا شکار ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جس شخص نے کسی قسم سے مشابہت اختیار کی گویا ان سے موافقت کر لی اور ان طور اطوار اور افعال اسے بھا گئے جبکہ عام حالات میں انسان کو اپنے مخالفین کی کوئی بات یا کام بھی اچھا نہیں لگتا۔

☆ یہ مشابہت ہی ہے جو فریقین کے دل میں محبت و مودت، قلبی لگاؤ اور یگانگت کا سبب بنتی ہے۔ ایک مسلمان جب کسی کافر کی پیروی اور نقل کرتا ہے تو وہ یقینا اپنے دل میں اس کے لئے نرم گوشہ رکھتا ہے یوں ایک طرف اس کا دل غیر مسلموں کی محبت والفت کی آماجگاہ بن جاتا ہے اور دوسری جانب اس کے دل میں پرہیزگار، متقی اور شرعی احکام کے پابندی مسلمانوں کے لیے شدید نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ ایک فطری بات ہے جسے ہر صاحب عقل اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

خاص طور پر جب مشابہت اختیار کرنیوالا اجنبیت اور احساس کمتری کا شکار ہو تو یہ شخص جس کی پیروی کرنے کی کوشش کرتا ہے یقینا اس کی عظمت کا قائل ہونے کے ساتھ ساتھ اسے محنت والفت کا جذبہ بھی رکھتا ہے۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہو بلکہ صرف ظاہری شکل وصورت اور عادات واطوار تک ہی مشابہت وہم آہنگی محدود ہو تب بھی یہ ایک خطرناک صورتحال ہے۔ کیونکہ ظاہری شکل وصورت میں مشابہت باطنی موافقت کا سبب ضروری بنتی ہے۔ اس

بات کو ہر وہ شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے جو اس قسم کے عادات واطوار پر تھوڑا سا غور فکر کر لے۔

مثال سے یہ بات مزید واضح ہو جائے گی کہ مشابہت کرنے والوں کے درمیان واقعتا محبت والفت اور مناسبت وموافقت پائی جاتی ہے۔ جیسے کوئی اجنبی شخص کسی دوسرے ملک میں اپنے ہم زبان اور ہم لباس کو دیکھے تو وہ ضرور اس وقت اس کے لیے اپنے دل میں محبت والفت کے جذبات زیادہ محسوس کرے گا بہ نسبت اس کے کہ وہ اسے اپنے ملک میں دیکھتا ہے۔ جب کوئی انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ دوسرا شخص اس کی نقل کر رہا ہے تو اس تقلید کرنے والے کے لیے اس کے دل میں خوشگوار جذبات جنم لیتے ہیں۔ یہ تو ہے عمومی صورت حال مگر اس وقت صورت کیا ہو گی جب کوئی مسلمان کسی کافر کو پسند کرنے کی بنا پر اس کی نقالی اور تقلید کر رہا ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی کافر کی نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے تحت الشعور میں رضا اور رغبت اور پسندیدگی کے عوامل ہی کارفرما ہوتے ہیں۔ پھر یہی نقل ومشابہت مودت محبت کا ذریعہ بنتی ہے۔ جس کا مشاہدہ ہم اکثر مغرب زدہ اور مغربیت پسند مسلمانوں میں کرتے ہیں۔

☆مشابہت سے ہمیں اس لیے بھی روکا گیا ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی کافر کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو یہ مشابہت اسے ذلت وپستی کے گڑھے میں گرا دیتی ہے۔ جہاں وہ احساس کمتری کے ساتھ ساتھ شکست خوردہ بھی دکھائی۔ اس ذلت میں آج اکثر وہ لوگ مبتلا نظر آتے ہیں جو کفار کی تقلید اور نقالی میں لگے ہوئے ہیں۔

بعض اہم اصولوں پر ایک نظر

جن کی بنا پر ہم مذموم اور ممنوعہ مشابہت کا معیار سمجھ سکیں۔

☆رسول اللہ ﷺ نے اپنی پاکیزہ اور سچی ترین زبان سے پیشین گوئی فرمائی ہے جو بالشبہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لتتبعن سنن من کان قبلکم شبرا بشبر وذراعا بذراع

صحیح البخاری

' "تم ضرور اپنے سے پہلوں کی ہو بہو اس طرح پیروی کرو گے جیسے ایک بالشت دوسری بالشت کے اور ایک بازو دوسرے بازوں کے برابر ہوتا ہے۔"

اس کے علاوہ بھی بہت سے احادیث ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس امت کے کچھ گروہ کفار کی مشابہت میں مبتلا ہو جائیں گے۔ حدیث پاک میں جو "سنن" کا لفظ استعمال ہوا ہے علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس میں کفار کے عقائد، عبادات، احکام وعادات، طور واطوار اور عیدیں اور تہوار سبھی شامل ہیں۔

' 'الذین من قبلنا' ہم سے پہلے لوگ۔ اس سے کون مراد ہیں۔

اس سلسلے میں مختلف احادیث میں وضاحت آئی ہے۔ جن کا یہاں ذکر کرنا ضروری نہیں تاہم ان میں سے بعض کی تفصیل قارئین کی نذر کی جاتی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

الذین من قبلنا

سے مراد اہل فارس اور اہل روم ہیں اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اہل کتاب ہیں یعنی یہود اور عیسائی۔ اسی طرح ان سے مراد عمومی کفار اور مشرکین بھی بیان فرمایا۔ یہ تمام تشریحات آپس میں ملتی جلتی ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کے فرامین سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ کفار کی مشابہت اختیار کرنے والے لوگ مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہونگے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "اس امت میں ہمیشہ ایسے لوگوں کی جماعت موجود رہے گی جو حق پہ جمے رہیں گے۔ یہ اللہ تعالی کی طرف سے تائید و نصرف حاصل کرنے والے اور حمایت یافتہ لوگ ہوں گے۔ یہ برملا حق کا اظہار کرنے والے، نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے والے ہونگے ان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لینے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔"

یہی جماعت "الفرقۃ الناجیۃ" ہے۔ یعنی کامیاب و کامران جماعت۔ ان کے کامیاب و کامران ہونے کا تقاضا یہ بھی ہے کہ وہ کفار کی مشابہت سے دور رہیں۔ سو آپ ﷺ کی پیش گوئی کہ یہ امت پچھلی ہلاک شدہ امتوں کی پیروی کرے گی، اس سے مراد افتراق کا شکار امت کے ایسے مختلف گروہ ہیں جو اتباع سنت اختیار کرنے والی جماعت کی سیدھی راہ چھوڑ کر الگ ہو گئے۔

☆ نبی ﷺ نے جہاں یہ خبر دی کہ یہ امت مشابہت کفار میں مبتلا ہو گی وہاں اس موذی مرض سے بچنے کی بھی سخت تلقین فرمائی۔ مثال کے طور پر:

نبی ﷺ نے کفار کی مشابہت سے بچنے کی جو تلقین فرمائی ہے وہ مختصر بھی ہے اور جامع بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

من تشبہ بقوم فھو منھم

سنن ابی داؤد

' 'جو شخص جس قوم سے مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں سے ہے۔"

اسی طرح اس حدیث میں بھی ہے۔

لتتبعن سنن من کان قبلکم

صحیح البخاری

' 'تم اپنے سے پہلوں کی پیروی کرو گے۔"

یہ آپ ﷺ نے خبردار کرنے کے لیے فرمایا کہ دیکھو مشابہت کا دور ہوگا تو تم بچ کر رہنا۔ اسی طرح اور بہت ساری احادیث مبارکہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

خالفوا المشرکین

''مشرکین کی مخالفت کرو۔''

پھر فرمایا:

خالفوا الیھود

''یہودیوں کی مخالفت کرو۔''

اور فرمایا:

خالفوا المجوس

مجوسیوں کی مخالفت کرو۔''

یہ سب ایسے واضح احکامات ہیں جن میں مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ مشابہت متعلق آپ ﷺ کے وہ تفصیلی فرامین ان شاءاللہ آٹھویں باب میں بیان کیے جائیں گے، جن میں آپ ﷺ نے نمونے کے طور پر چند امور کے متعلق خبردار فرمادیا کہ بعض مسلمانوں سے کفار کی مشابہت کا ارتکاب ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس خطرہ سے پیشگی متنبہ فرمادیا تاکہ ہم اس سے بچ سکیں۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی انتہائی اہم ہے کہ اس امت میں ایک جماعت حق کا کاربند رہے گی۔ جو ان سے دشمنی کریں گے یا ان کی حمایت و مدد سے ہاتھ کھینچیں گے وہ انہیں قیامت تک کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ مشابہت کے مسائل پر نظر ڈالتے وقت ان اصول و قواعد کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اگر ہم ان احادیث کو علیحدہ علیحدہ دیکھیں گے تو بعض

لوگوں کو یقیناً یہ وہم ہوگا کہ شاید تمام مسلمان ہی مشابہت کا شکار ہو جائیں گے۔ حالانکہ یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ بات دین حنیف کی حفاظت کے منافی ہے۔ اور حفاظت اللہ تعالی نے خود اپنے ذمہ لی ہے۔ اسی طرح یہ چیز نبی ﷺ کے فرمان سے بھی متصادم ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، اس امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی۔ اگر صرف اس حدیث کو لیکر دوسری حدیث چھوڑ دیں جس میں آپ نے فرمایا کہ تم ضرور اپنے سے پہلوں کے طریقوں کی پیروی کروگے، تو بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے ہیں کہ شاید یہ امت کفار کی مشابہت سے بالکل پاک ہے۔ حالانکہ بات دراصل یہ ہے کہ امت وسط یعنی اہل سنت کی جماعت ہمیشہ موجود رہے گی۔ یہ لوگ سنت مطہرہ پر کاربند اور کفار کی مشابہت سے دور رہیں گے اور وہ دوسرے گروہ جو اہل سنت کی راہ چھوڑ بیٹھے ہیں ان کا یہ افتراق و گمراہی اصل میں مشابہت کفار ہی کا شاخسانہ ہے۔ بلاشہ اس امت میں موجود جتنے گروہ اور جماعتیں ہیں ان میں سے کوئی ایک جماعت بھی ایسی نہیں کہ جس نے سنت مطہرہ سے دوری بھی اختیار کی ہو اور وہ پچھلی امتوں کے اطوار و عادت اپنانے سے محفوظ بھی رہے ہوں۔ جیسے آئندہ مثالوں سے ان شاء اللہ یہ بات واضح ہوگی۔

جن امور میں کفار کی مشابہت سے روکا گیا ہے

عامۃ الناس کو چار قسم کے امور میں کفار کی مشابہت سے روکا گیا ہے جو درج ذیل ہیں:

(1) اعتقادی امور

مشابہت کے باقی ماندہ امور میں سے یہ معاملہ سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ عقائد میں مشابہت دراصل کفر اور شرک ہے۔ جیسے نیک لوگوں کو

مقدس جان کر ان کی تعظیم میں مبالغہ آرائی کرنا۔ اسی طرح اقسام عبادت میں سے کسی کا رخ غیر اللہ کی طرف پھیر دینا یا مخلوق میں سے کسی کو اللہ کا بیٹا یا اللہ کا باپ بنا دینا جیسے عیسائیوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور یہودیوں نے سیدنا عزیر علیہ السلام کے بارے میں دعویٰ کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ دین میں فرقہ بندی (اس سے مراد ہے حق اور اہل سنت کو چھوڑ دینا اور نہ اجتہادی مسائل میں اختلاف اس میں داخل نہیں کیونکہ یہ دین سے علیحدگی نہیں) یا قانون الٰہی کی بالادستی تسلیم کرنے کی بجائے کوئی دوسرا قانون اپنا لینا۔ یہ اور اس طرح کے دوسرے کفر و شرک کے جو معاملات ہیں ان سب کا تعلق عقائد سے ہے۔

(2) جشن و تہوار

عید و تہوار اگرچہ عبادات ہی میں داخل ہیں لیکن بعض اوقات ان کا شمار عادات میں ہوتا ہے مگر شریعت نے مختلف دلائل اور قطعی احکام کے ذریعے انہیں خاص کر دیا ہے۔

ان کی اہمیت کے پیش نظر خصوصی طور پر ان کے منانے میں کفار کی مشابہت سے روکا گیا ہے اور یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے لیے سال میں صرف دو تہوار یعنی دو عیدیں ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے تہوار یا جشن جیسے سالگرہ منانا، قومی دن کا انعقاد یا وہ باقاعدہ جشن جن کے لیے سال میں یا مہینے میں کوئی خاص دن مقرر ہو۔ اسی طرح کوئی دن یا ہفتہ جو تکرار سے منایا جائے اور لوگ اس کے منانے کا اہتمام کریں، مشابہت کی ایسی واضح باتیں ہیں جن کے متعلق شرعی نصوص موجود ہیں۔

(3)عبادات سے متعلق امور

نبی علیہ السلام نے اپنے بہت سے فرامین میں تفصیل کے ساتھ عبادات میں کفار کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا اور ان باتوں کا بھی تذکرہ فرمایا جن میں مشابہت ممنوع ہے۔ جیسے مغرب کی نماز میں تاخیر روزہ افطار کرنے میں دیر کرنا، سحری کھائے بغیر روزہ رکھنا اور اس طرح کی کچھ دوسری چیزیں جن کی تفصیل بعد میں آئے گی۔ ان شاء اللہ

(4)عادات واطوار اور اخلاق

آخری قسم کا تعلق عادات واطوار اور اخلاق سے ہے۔ جیسے لباس وغیرہ جسے "الہدی الظاھر" سے موسوم کیا گیا ہے۔ (الھدی الظاھر) سے آدمی کی ہیئت کذائی، ظاہری شکل وصورت، لباس، طور واطوار اور عادات واخلاق وغیرہ مراد ہے۔ ان باتوں میں بھی واضح طور پر کہیں مختصر اور کہیں تفصیل سے مشابہت اختیار کرنے سے روکا گیا ہے۔

مثلاً داڑھی منڈوانے سے روکا گیا ہے۔ سونے کے برتن استعمال کرنا اور ایسا لباس پہننا جو کفار کا شعار وامتیاز ہو ممنوع قرار دے دیا گیا ہے بے پردگی، مردوں اور عورتوں کا آزادانہ میل جول، مردوں کی عورتوں سے مشابہت اور عورتوں کی مردوں سے مشابہت اور اسی قسم کی دوسری عادات میں مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔

مشابہت کے احکام

مشابہت کے تمام احکام کا مکمل تفصیل کے ساتھ احاطہ ممکن نہیں کیونکہ مشابہت کی تمام صورتوں میں ہر ایک کا حکم جاننے کے لیے ضروری ہے کہ اسے شرعی نصوص کی کسوٹی پر پرکھا جائے، اہل علم اور فقہاء دین کے بتائے ہوئے شرعی قواعد پر پیش کیا جائے۔ مگر یہاں بعض ایسے عمومی احکام ضرور ہیں جن کے ضمن میں مشابہت کی تقریباً تمام صورتیں آجاتی ہیں جو ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:

☆مشابہت کی اقسام میں سے ایک قسم ایسی ہے جس کا اختیار کرنا شرک اور کفر ہے جیسے عقائد وعبادات میں مشابہت اختیار کرنا۔ اسی طرح یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں سے ان باتوں میں مشابہت جو عقیدۂ توحید سے متصادم ہیں۔ مثلاً تعطیل کا عقیدہ اختیار کرنا یعنی اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا انکار اور ان میں الحاد کی راہ اپنانا۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق میں حلول کرنا اور اپنی مخلوق کے ساتھ اتحاد کا گستاخانہ عقیدہ رکھنا۔ اسی طرح انبیاء کرام اور صالحین عظام کی تقدیس و تعظیم کے ساتھ ساتھ ان کی عبادت کرنا۔ اللہ کے سوا ان کو پکارنا۔ وضعی قوانین، انسان کی تخلیق کردہ نظام اور ضابطوں کو ایسے قوانین سمجھ لینا جن کے مطابق فیصلے کئے جائیں، ان سب باتوں کا ارتکاب شرک اور کفر ہے۔

☆مشابہت میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جو کفر یا شرک تک تو نہیں پہنچتیں ۔ تاہم وہ فسق وفجور اور گناہ ومعصیت کے زمرے میں ضرور آتی ہیں۔ جیسے بعض عادات واطوار میں کفار کی تقلید وپیروی۔ مثلاً بائیں ہاتھ سے کھانا پینا، مردوں کا سونے کی انگوٹھی پہننا، یا سونے کے دوسرے زیورات استعمال کرنا، داڑھی منڈوانا، مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے سے مشابہت اختیار کرنا اور اسی طرح کی دوسری چیزیں اس قسم میں شامل ہیں۔

☆مشابہت کے باب میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا اختیار کرنا مکروہ ہے اور یہ وہ ہیں جن کا حکم واضح نہ ہونے کی بناء پر حرام اور مکروہ کے درمیان معلق ہے۔ اس سے مراد وہ دنیاوی چیزیں اور عام عادات واطوار ہیں جن کی حرمت واضح نہیں اور وہ کراہت واباحت کے مابین ہیں مگر مسلمانوں کو مشابہت سے محفوظ رکھنے کے لیے ان کا اختیار کرنا مکروہ کے حکم میں آتا ہے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کفار کے کچھ ایسے کام بھی ہیں جو ہمارے لیے مباح ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ کام مباح ہیں جو صرف کفار کے ساتھ خاص نہیں اور نہ ان کا طرہ امتیاز سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے کرنے سے نہ تو وہ پرہیزگار اور صالح مسلمانوں سے ممتاز و منفرد نظر آتے ہوں اور نہ وہ ایسے کام ہوں جن کے کرنے سے مسلمانوں میں فتنہ وفساد کے پھوٹنے کا اندیشہ ہو، یا ان کا کرنا مسلمانوں کے زوال اور کافروں کی ترقی کا سبب بنے۔ مباح کاموں میں سے ایک تو خالص مادی ترقی ہے یا وہ ایجادات وغیرہ ہیں جن میں ان کی پیروی مسلمانوں کے لیے نقصان دہ نہیں۔ اسی طرح وہ خالص دنیاوی علوم جو اسلامی عقائد واخلاقیات سے متصادم نہیں وہ بھی مباح ہی سمجھے جائیں گے یہی نہیں بلکہ بعض اوقات یہ خالص دنیاوی علوم جو کفار کے پاس ہیں ان سے فائدہ اٹھانا مسلمانوں پر واجب ہو جاتا ہے اور جب ہم خالص کہتے ہیں تو اس سے ہماری مراد ہے کہ ان میں کوئی ایسی بات نہ پائی جائے جو شرعی اصول وضوابط یا نصوص سے متصادم ہو یا مسلمانوں کی ذلت و اہانت اور تحقیر کا سبب بنے۔ لہذا جو علوم ان خطرات سے خالی ہوں گے۔ (ان کے حاصل کرنے میں کوئی قباحت نہیں

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ حتی الامکان کوشش کریں کہ وہ کفار کے دست نگر نہ رہیں ۔ لیکن اس کوشش میں ایسا نہ ہو کہ بنیادی اور واجب احکام کو پس پشت ڈال دیا جائے۔ جیسے جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، دعوت و تبلیغ اور

اقامت دین وغیرہ۔ ان چیزوں کا خیال رکھتے ہوئے کوئی بھی مسلمان شرعی قواعد و ضوابط میں رہ کر کسی ملک یا قوم سے دنیاوی فوائد حاصل کر سکتا ہے۔ جیسے عام ایجادات وغیرہ سے استفادہ کرنا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کا یہی طریقہ رہا۔ صنعت وحرفت اور منفعت وغیرہ میں کفار سے استفادہ کرنے میں کوئی مضائقہ خیال نہ کرتے، جب تک کہ یہ چیز مسلمانوں کی ذلت وکمتری کا باعث نہ بن رہی ہو اور یہ کہنا سوائے مبالغہ آرائی کے اور کچھ نہیں کہ آج کے دور میں مسلمانوں کی ذمہ داریوں میں سے اہم ترین کام فقط مادی ترقی ہی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان پہلے اقامت دین اور شرعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوں اور پھر مادی برتری کے لیے کوشاں ہوں۔ یہ ایک منطقی امر ہے کہ اقامت دین سے ہی یقینی طور پر دنیاوی ترقی اور برتری کی راہ ہموار ہو گی۔ واللہ اعلم(

مختصر یہ کہ عقائد وعبادات اور عید وتہوار منانے میں کفار کی مشابہت اختیار کرنا قطعی طور پر حرام ہے، اسی طرح وہ معاملات جن کا تعلق عادات واطوار سے ہے اگر وہ صرف کفار کے ساتھ ہی خاص ہیں تو حرام ہیں ورنہ ان کا حکم حرام ومکروہ کے درمیان معلق ہو گا اور جن باتوں کا تعلق علوم وفنون یا خالص دنیاوی امور سے ہے جیسے صنعت وحرفت اور اسلحہ سازی وغیرہ تو یہ پہلے بیان کردہ شروط کے ساتھ جائز ہوں گی۔

ان لوگوں کی اقسام جن سے مشابہت ممنوع ہے

شرعی نصوص کو جمع کرنے سے ہم ایسے بہت سے لوگوں کی اقسام کو جان سکتے ہیں۔

پہلی قسم... عام کفار

مجموعی طور پر بلا تخصیص تمام کفار کی مشابہت سے روکا گیا ہے۔ اس ممانعت میں مشرکین، یہودی، عیسائی، مجوسی، صابی، ملحد، بے دین اور دوسرے کفار سبھی شامل ہیں۔ عبادات، عادات، لباس اور اخلاق غرض ہمیں ہر اس چیز میں مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے جو کفار کے ساتھ خاص ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دو زرد رنگ کے کپڑوں میں ملبوس دیکھا تو فرمایا:

اِنَّ هٰذِهٖ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبَسْهَا

''بے شک یہ کفار کا لباس ہے تم اسے مت پہنو۔''

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو لباس کفار کے خصائص میں سے ہو اس کا پہننا جائز نہیں۔ (آج کے دور میں جس لباس کو امتیازی حیثیت حاصل ہے اور اس کا شمار کفار کے خصائص میں ہوتا ہے وہ پتلون ہے۔ مسلم ممالک میں اس کا پہننا جائز نہیں۔ اگرچہ یہ مغرب زدہ لوگوں میں بہت مقبول ہے اور ایسے لوگوں کی مسلم ممالک میں کثرت ہے مگر معیار تو دین دار اور متقی لوگ ہوں گے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ تو پتلون وغیرہ نہیں پہنتے۔ ویسے بھی مروجہ پتلون میں انسانی وقار برقرار نہیں رہتا کیونکہ اس میں مکمل ستر پوشی نہیں ہوتی۔ اسی طرح کچھ چیزیں کفار کے مختلف گروہوں میں سے ہر گروہ کی الگ سے علامت سمجھی جاتی ہیں۔ جیسے یہودیوں کا ہیٹ ہے اور عیسائیوں کی صلیب وغیرہ۔ واللہ اعلم)

دوسری قسم... مشرکین

مشرکین سے عبادات، عید و تہوار اور افعال و اعمال میں مشابہت ممنوع قرار دی گئی ہے۔ اسی طرح سیٹیاں بجانا، تالیاں پیٹنا یا اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں

سے کسی کو دنیا میں اپنے لیے اللہ کے ہاں سفارشی یا وسیلہ سمجھنا، قبروں پر نذر و نیاز اتارنا، چڑھاوے چڑھانا، قربانی وغیرہ پیش کرنا اور بعض دوسرے مشرکانہ افعال ہیں جن میں مشرکوں کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔ مشرکین کا ایک طریقہ یہ تھا کہ حج میں میدان عرفات سے سورج غروب ہونے سے پہلے ہی لوٹ آتے۔ ایسا کرنا بھی ان سے مشابہت ہے۔ سلف صالحین مشرکوں کے اعمال وخصائص کو ناپسند کرتے تھے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

مَنْ بَنَى بِبِلَادِ الْمُشْرِكِينَ وَصَنَعَ نَيْرُوزَهُمْ وَمَهْرَجَانَهُمْ حَتَّى يَمُوتَ حُشِرَ مَعَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

سنن البیهقی 9/23

''جس نے مشرکین کے ملک میں گھر بنایا، ان کے نوروز و مہرجان کے جشن منائے اور اسی حالت میں اس کی موت آگئی تو وہ قیامت کے روز انہی کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔''

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مساجد پر برج وغیرہ کی تعمیر کو ناپسند کیا اور کئی مرتبہ اس سے منع فرمایا کیونکہ وہ اسے مشرکین کے صنم کدوں اور ان کی عبادت گاہوں سے مشابہ خیال کرتے تھے۔

تیسری قسم... اہل کتاب

اہل کتاب سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں۔ ہمیں ان تمام اعمال سے منع کیا گیا ہے جو ان کے خصائص اور شعائر کی حیثیت رکھتے ہیں جیسے یہود و نصاریٰ کے عقائد و عبادات، عادات و اطوار، ان کا لباس، عید و تہوار، اسی طرح قبروں پر عمارتیں تعمیر کرنا پھر انہیں سجدہ گاہ بنالینا، تصویریں لگانا، عورتوں کے ذریعے فتنہ انگیزی کرنا، سحری نہ کھانا، بڑھاپے کے سفید بالوں کو نہ رنگنا، صلیب

اٹھانا، ان کے تہوار خود منانا یا ان کے تہواروں میں شریک ہونا، یہ تمام ایسے کام ہیں جن میں یہودیوں اور عیسائیوں کی مشابہت ممنوع ہے۔

چوتھی قسم... مجوس

مجوسیوں کی عادات وخصائص میں سے ایک آگ کی پرستش ہے۔ اس کے علاوہ اپنے بادشاہوں اور بڑوں کو حد سے بڑھا کر مقدس جاننا، سر کے پچھلی جانب سے بال منڈوا کر اگلے حصے کے بال چھوڑ دینا، داڑھی منڈوانا اور مونچھیں بڑھانا، سیٹیاں بجانا اور سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا، یہ سب مجوسیوں کے اعمال و اطوار ہیں جن کا اختیار کرنا ان کی مشابہت ہے جو ممنوع قرار دی گئی ہے۔

پانچویں قسم... اہل فارس اور اہل روم

روم اور فارس کے لوگ اگرچہ اہل کتاب کے ضمن ہی میں آتے ہیں تاہم علیحدہ سے بھی ایسی باتوں کے اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے جو ان کا امتیاز سمجھی جاتی ہیں۔ جیسا کہ عادات وعبادات اور تمام قسم کے مذہبی رسم ورواج مثلاً اپنے اکابر کی حد سے بڑھی ہوئی تعظیم وتقدیس نیز مذہبی پیشواؤں کی پیروی واطاعت میں ایسی باتوں کو بھی شریعت سمجھ بیٹھنا جنہیں اللہ تعالیٰ نے شریعت کا درجہ نہیں دیا اور اسی طرح دین میں غیر ضروری تشدد اختیار کرنا ان اقوام کے خصائص ہیں۔

چھٹی قسم... غیر مسلم (اعجمی)

غیر مسلم عجمیوں سے مشابہت بھی جائز نہیں۔ اس کی بنیاد نبی علیہ السلام کا یہ فرمان ہے:

نَهٰى أَنْ يَجْعَلَ الرَّجُلُ فِيْ أَسْفَلِ ثِيَابِهِ حَرِيْرًا مِثْلَ الأَعَاجِمِ، أَوْ يَجْعَلَ عَلَى مَنْكِبَيْهِ حَرِيْرًا مِثْلَ الأَعَاجِمِ

أبو داؤد، حدیث:4049

’’آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص عجمیوں کی طرح اپنے لباس کے نیچے یا کندھوں پر ریشم کا کپڑا استعمال کرے۔‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کے لیے تعظیماً کھڑا ہونے سے بھی منع فرمایا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے بھی روک دیا کہ اگر امام کسی وجہ سے نماز بیٹھ کر پڑھے تو مقتدی پیچھے کھڑے ہوں، اس احتیاط کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ عام دیکھنے والے کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ کھڑے ہونے والے مقتدی امام کی تعظیم میں کھڑے ہیں۔ حدیث پاک میں اس ممانعت کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ طریقہ تعظیم عجمیوں کے انداز سے مشابہت رکھتا ہے۔ چونکہ وہ اپنے اکابر، روساء اور بڑوں کے لیے کھڑے ہوتے تھے اسی لیے یہ عمل مشابہت کی بناء پر ممنوع ٹھہرا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عجمی اور مشرکین و کفار جیسا لباس پہننے سے سختی سے منع فرماتے۔ ایسی بہت سی باتوں کی طرف سلف صالحین نے توجہ دلائی ہے۔

ساتویں قسم... جاہلیت اور جہلاء

جاہلیت کے ان تمام اعمال سے عمومی طور پر منع کر دیا گیا ہے جن کا تعلق اہل جاہلیت کے اخلاق و عبادت اور عادات و اطوار سے ہے۔ جیسے بے پردگی یعنی عورتوں کا حسن و زینت دکھائے پھرنا۔ اسی طرح جہلاء کی طرح احرام باندھنے کے بعد اپنے اوپر کسی چیز کا سایہ نہ پڑنے دینا، جیسے آج کل روافض کرتے ہیں۔ جسم کی نمائش اور عریانی و فحاشی، قومی عصبیت، حسب و نسب پر فخر و غرور، دوسرے کے نسب ناموں پر طعن و تشنیع ماتم کرنا اور ستاروں کے ذریعے بارش مانگنا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے پیغام کے ساتھ ان تمام جاہلی

احوال، افعال، رسم ورواج، آباؤاجداد کی تقلید اور ان کے نقش قدم پر چلنا، اور جاہلیت میں قائم ہونے والے بازار سب پر خط تنسیخ پھیر دیا۔ ان چیزوں میں بے پردگی، اختلاط مرد وزن اور سود وغیرہ بھی شامل ہیں۔

آٹھویں قسم... شیطان

شیطان کی مشابہت سے بھی روکا گیا ہے۔ یعنی شیطانی کاموں سے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کے بعض کاموں کا تذکرہ فرمایا اور ان کو اختیار کرنے سے منع فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

لَا يَأْكُلَنَّ أَحَدُكُمْ بِشِمَالِهِ وَلَا يَشْرَبْ بِهَا فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَيَشْرَبُ بِهَا

صحیح مسلم، کتاب الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما

حدیث: 5367

'' تم میں سے کوئی بھی اپنے بائیں ہاتھ سے ہرگز نہ کھائے نہ پیئے۔ بے شک شیطان اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔''

یہ ایک قابل افسوس امر ہے کہ اب یہ عادت اکثر مسلمانوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کا سبب یا تو سستی، تساہل اور بے توجہی ہے یا پھر حق سے روگردانی، تکبر اور شیطان کے دوستوں اور اللہ کے نافرمانوں کی مشابہت۔

نویں قسم... عرب کے وہ گنوار بدو جن میں دین راسخ نہیں ہوا

یہ گنوار لوگ بہت سی ایسی عادات اور رسم ورواج کو ایجاد اختیار کرتے ہیں جن کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں، عموماً یہ چیزیں جاہلیت کی میراث ہوتی ہیں۔ یہ بدو لوگ اپنی عادات، رسم ورواج اور اصطلاحات کے معاملے میں بہت سخت ہوتے ہیں اگرچہ یہ چیزیں شریعت کے مخالف ہی

کیوں نہ ہوں۔ جیسے جاہلی تعصب، حسب ونسب پر فخر، دوسروں کے نسب ناموں پر طعنہ زنی، مغرب کو عشاء کہنا اور عشاء کی نماز کو عتمہ کے نام سے پکارنا۔ طلاق کی قسم اٹھانا یا کاموں کو طلاق سے مشروط کرنا۔ چچا کی بیٹی کو کسی دوسری جگہ شادی کرنے سے روکنا اور اسے اپنے چچازاد ہی سے شادی کرنے پہ مجبور کرنا یہ تمام کام اور اسی طرح دوسری جاہلی عادات وغیرہ۔

(10) حدیث کی صحت و ضعف میں اختلاف اور اس کے اسباب

فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ

علم عِلَلِ حدیث دنیا کا سب سے زیادہ نازک اور باریک ترین علم ہے، اس میں صحت وضعف کے فیصلے کی تبدیلی کے امکانات سب سے زیادہ ہیں۔ یہ فن ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے، اس کی غوّاصی سے نئی نئی چیزیں بر آمد ہوتی رہتی ہیں۔ مثلاً: ایک محقق نے ایک مدلّس کی روایت کو عنعنہ کی وجہ سے ضعیف قرار دیا، لیکن ایک دوسرے محقق کو اس کی تحدیث یا سماع کی صراحت مل گئی، اور اس طرح وجہ ضعف ختم ہو گئی۔ یا کسی ضعیف روایت کے متابعات وشواہد صحیح سند کے ساتھ مل گئے، جو پہلے علم میں نہیں آئے تھے، ان متابعات وشواہد کی وجہ سے روایت کا ضعف دور ہو گیا۔

یا کسی مرسل روایت کا ایسا طریق مل گیا، جو موصول تھا، اس لیے ارسال کی وجہ سے جو ضعف تھا، وہ دور ہو گیا۔ یا کسی مختلط راوی کی روایت کو اس کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا، لیکن دوسرے محقق کو اس بات کے شواہد مل گئے کہ اس کی یہ روایت تو اختلاط سے قبل کی ہے، اور یوں وجہ ضعف دور ہو گئی۔ بہر حال یہ اور اس قسم کے دوسرے اسباب ضعف بعض دفعہ دور ہو جاتے ہیں اور روایت صحیح قرار پاتی ہے۔ اور یہی معاملہ صحیح روایت کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک محقق کے نزدیک اس میں بظاہر ضعف کی کوئی وجہ نہیں ہوتی، اس لیے وہ اسے صحیح قرار دے دیتا ہے۔ لیکن کسی اور محقق کے علم میں اس کے ضعف کے اسباب آجاتے ہیں جن کی بنا پر اس کے لیے اسے ضعیف قرار دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

اور یہ بھی ضروری نہیں کہ دوسرے محقق ہی کے علم میں ایسی معلومات آئیں جن سے حدیث کا حکم بدل جائے، بلکہ خود فیصلہ کرنے والے کے علم میں بھی کوئی نئی معلومات آسکتی ہیں جن کی وجہ اس کا پہلا فیصلہ غلط قرار پائے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ کی عمر فنّ حدیث کی خدمت میں گزری، اور ان کا ایک ایک لمحہ اسی کام کے لیے وقف رہا۔ انہوں نے سیکڑوں حدیثوں کی بابت اپنا فیصلہ تبدیل کیا، جن کو ان کے بعض تلامذہ نے "تراجع العلامة الالبانی فیما نص علیہ تصحیحاً و تضعیفاً" کے نام سے شائع بھی کر دیا ہے۔

جب واقعہ یہ ہے تو حدیث کی بابت دو محققوں کے ایک دوسرے سے مختلف فیصلے سے عوام کو گھبرانا یا تشویش میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اہل علم کے لیے دونوں فیصلوں کا سامنے رہنا مفید ہے۔ شاید کوئی اور محقق اس میدان میں آمنے سامنے آئے اور وہ موازنہ کر کے دونوں میں سے کسی ایک کے فیصلے کو دلائل کی رو سے راجح قرار دے دے۔ یا اپنا حقِ نظر ثانی استعمال کر کے خود محقق ہی اپنا فیصلہ تبدیل کر لے۔ علاوہ ازیں ایسی مختلف فیہ روایت پر عمل کرنے میں عوام کو اختیار ہے، اگر وہ ایک ضعیف حدیث پر اس وجہ سے عمل کر لیں گے کہ ایک محقق نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، تو امید ہے وہ محقق ہی کی طرح عند اللہ ماجور ہوں گے، کیونکہ محقق اور عوام دونوں کے سامنے کوئی مخصوص فقہ اور اس کے مسائل نہیں ہیں، بلکہ حدیث کی عظمت ہی اس پر عمل کرنے کی محرک ہے۔ اور اگر اس پر عمل نہیں کریں گے تو وہ انشاء اللہ گناہ گار نہیں ہوں گے، کیونکہ ایک محقق نے بہر حال اس کی تحقیق کر کے ہی اسے ضعیف قرار دیا ہے، گو نفس الامر میں وہ صحیح ہی ہو۔

اس میں اصل بنیاد دو چیزیں ہیں، ایک نیت، دوسرا دیانتدارانہ محنت۔ نیت یہ ہو کہ حدیث رسول پر عمل کرنا ہے۔ دوسرے، یہ کہ حدیث کی تلاش و جستجو اور اس کی صحت و ضعف کی تحقیق میں اس نے کوتاہی

سنہ کی ہو۔ ان دو چیزوں کے بعد وہ اُن میں کامیاب ہو گیا۔ تب بھی، اور ناکام رہا تب بھی۔ دونوں ہی صورتوں میں وہ عند اللہ فائز المرام ہی رہے گا۔ محدثین کے بیان کردہ اصولوں اور وضاحتوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جو ہم بیان کر رہے ہیں۔

مثلاً محدثین کی بعض وضاحتیں حسب ذیل ہیں:

جب کسی حدیث کی بابت کہا جائے "ھذا حدیث صحیح" تو اس سے مراد نفس الامر میں حدیث کا قطعی صحیح ہونا نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں ثقہ رواۃ کی خطا و نسیان کی گنجائش باقی رہتی ہے۔]2[

اسی طرح "ھذا حدیث غیر صحیح" (یہ حدیث صحیح نہیں ہے) سے مراد نفس الامر میں حدیث کا کذب (جھوٹا) ہونا نہیں ہوتا، کیونکہ کاذب راوی کے صدق کا اور کثیر الخطا راوی کی اصابت کا امکان باقی رہتا ہے۔]3[

' 'رجالہ رجال الصحیح" (اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں) کہنا بھی صحتِ حدیث کی قطعی دلیل نہیں ہوتا، کیونکہ صحیحین یا صحیح کے بعض راوی متکلم فیہ بھی ہیں۔ اور شیخین (امام بخاری، وامام مسلم) ان سے صرف اسی وقت روایت کرتے ہیں۔ جب ان کی متابعت پائی جاتی ہو یا ان کے شواہد ہوں یا ان کو علم ہو کہ ان کی کوئی اصل موجود ہے ۔ اسی لیے اگر وہ راوی کسی روایت میں منفرد ہوں یا ثقات کے خلاف راویت کریں، تو ایسی صورت میں وہ ان سے روایت نہیں کرتے، پس صحیح کے راوی ہونے کے باوجود اس بات کا احتمال رہتا ہے کہ اس محدث کی شرائط میں سے ایسی کوئی شرط مفقود ہو جس کو صاحب صحیح نے بہ وقت تصحیح و تخریج ملحوظ رکھا تھا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ کتاب "ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت" تالیف غازی عزیر الجبیل، سعودی عرب)

ان اصولوں یا وضاحتوں سے مقصود اس بات کو واضح کرنا ہے کہ احادیث کی تحقیق کا فن کثیر الجہات ہونے کی وجہ سے نہایت دقیق اور از حد مشکل ہے۔ اس

میں پوری کوشش کرنے کے باوجود دوسرے پہلو کا امکان رہتا ہے، تاہم جب تک دوسرے پہلو کی واضح اور قطعی دلیل نہ ملے، پہلی ہی بات اور فیصلے پر عمل کیا جائے گا، اس لیے جن احادیث کی صحت و ضعف میں دو محققین کا اختلاف ہو، وہاں تو دوسرے پہلو کا امکان زیادہ ہے۔ بنا بریں کسی حدیث کی صحت و ضعف میں اختلاف کی صورت میں عوام کے لیے اختیار کی گنجائش بھی ہے جیسا کہ پہلے وضاحت کی گئی ہے۔

ضعیف حدیث مطلقاً ناقابل عمل ہے

یہ بات یاد رہے کہ یہ اختیار صرف مختلف فیہ روایات میں ہے لیکن جو روایت متفقہ طور پر ضعیف ہے، اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ ضعیف حدیث کے بارے میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن راجح مسلک اس پر عمل نہ کرنا ہی ہے۔ اس کی بابت چار مسلک مشہور ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

(1) ضعیف حدیث مطلقاً قابلِ قبول اور بلا شرط لائق عمل ہے۔

(2) ضعیف حدیث مطلقاً مقبول نہیں، صرف فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب میں بلا قید شرط مقبول ہے۔

(3) فضائل اعمال وغیرہ میں ضعیف حدیث چند شرائط کے ساتھ مقبول ہے، مثلاً (ضعف شدید نہ ہو، یعنی راوی کذّاب، متّہم بالکذب اور فاش غلطی کرنے والا نہ ہو۔ وہ حدیث کسی اصلِ عام کے تحت داخل ہو۔) اور اس حدیث پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھا جائے۔

(4) ضعیف حدیث پر عمل مطلقاً ناجائز ہے، یعنی نہ احکام و مسائل میں اس پر عمل کرنا جائز ہے، نہ فضائل اعمال میں، اور نہ مشروط اور نہ غیر مشروط طور پر، یعنی ضعیف حدیث کسی لحاظ سے قابل عمل نہیں ہے۔]4[

قُصّاص واعظین قسم کے علماء کا ایک گروہ صدیوں سے ایسا چلا آرہا ہے اور جس کی اب بھی کثرت ہے، جو دوسرے مسلک کا قائل ہے اور وہ فضائلِ اعمال میں ضعیف بلکہ موضوع روایات تک بیان کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ اسی گروہ کی بدولت مسلمان معاشروں میں ضعیف احادیث عوام میں بہت مشہور ہیں اور ان پر عمل بھی عام ہے، حالانکہ علمائے محققین کے نزدیک یہ مسلک صحیح نہیں ہے ۔ جب ضعیف حدیث کی نسبت ہی رسول اللہ ﷺ کی طرف محقّق (ثابت) نہیں۔ تو اس حدیث سے کسی عمل کا استحباب کیوں کر ثابت ہو سکتا ہے؟ تاہم محدثین کا ایک گروہ تیسرے مسلک کا قائل ہے، لیکن یہ مسلک چوتھے مسلک ہی کے ساتھ جا ملتا ہے، جب اس میں یہ شرط بھی موجود ہے کہ اس میں ضعف بھی شدید نہ ہو اور وہ کسی اصل عام کی تحت بھی داخل ہو تو گویا عمل تو صحیح حدیث کے عموم پر ہی ہوا، نہ کہ ضعیف حدیث پر، اس لیے سیدھے طریقے پر یہی کہا جائے کہ چوتھا مسلک ہی صحیح اور قابل عمل ہے اور وہ یہ ہے کہ ضعیف حدیث، اس کا تعلق احکام و مسائل سے ہو یا فضائل سے، ناقابل عمل ہے۔

جن علمائے محققین نے اس نقطہ نظر سے احادیث کی جانچ پرکھ کی ہے، انہوں نے محدثین ہی کا منہج اختیار کیا ہے اور وہی کام کیا ہے جو امام بخاری و امام مسلم، مؤلفین سنن اربعہ اور دیگر محدثین نے کیا ہے، اس لیے اسی مسلک و منہج کو اختیار کرنے اور اسے ہی فروغ دینے کی ضرورت ہے۔

اہل حدیث عوام وخواص سے چند گزارشات

اس موقع پر ہم مناسب اور ضروری سمجھتے ہیں کہ اہل حدیث عوام وخواص سے بھی کچھ گزارشات کریں۔ ہم جانتے ہیں کہ ضعیف حدیث اور اس کے بارے میں محدثین کے جس مسلک کی ہم نے وضاحت کی ہے، وہ اہل حدیث حضرات

کے لیے کوئی نئی بات نہیں ہے، ان کا الحمد اللہ یہی مسلک ہے اور اسی پر وہ عمل پیرا ہیں، کیونکہ وہ محدثین ہی کی جماعت ہیں اور ان کے فکر و منہج کے وہ واحد علم بردار ہیں۔ اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو تقلیدی مذاہب سے بچایا ہے۔ اسی طرح وہ اکابر پرستی سے بھی محفوظ ہیں، اس لیے ان کے ہاں یہ بات بھی نہیں ہے کہ فلاں بزرگ نے یہ فرمایا ہے یا فلاں بزرگ کا یہ عمل ہے ، قطع نظر اس سے کہ بزرگ کا فرمودہ یا عمل حدیث کے مخالف ہے یا موافق؟ ان کے ہاں کسی بزرگ کی بات یا عمل اسی وقت قابل قبول ہوتا ہے جب اس کی بنیاد کسی نص شرعی پر ہوتی ہے، وہ نص واضح ہو قیاس صحیح کے طریقے پر نص سے مستنبط ہو۔ اس کے بغیر کسی بھی بڑے سے بڑے بزرگ کی کوئی بات یا اس کا عمل اہل حدیث کے ہاں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

لیکن اس دور میں تحقیقِ حدیث کا جو ذوق عام ہوا ہے اس کے نتیجے میں سنن وغیرہ کی بعض روایات جو تحقیق کے بغیر معمول بہ چلی آرہی تھیں یا علمائے اہل حدیث کی بعض تالیفات میں درج تھیں۔ علاوہ ازیں ان روایات یا تالیفات کو قبول اور عام درجہ بھی حاصل تھا اور ہے، لیکن تحقیق کے بعد وہ روایت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچیں گے، تو اہل حدیث نے الحمد للہ بلا تامل ان روایات پر عمل کرنا یا ان کو صحیح سمجھنا چھوڑ دیا۔ ان کا یہ عمل ان کے فکری منہج کے عین مطابق بھی ہے اور ان کے مزاج و تربیت کا حصہ بھی۔

لیکن ہمیں افسوس ہے کہ بعض اہل حدیث عوام و خواص کی طرف سے اس مسلکی منہج اور مزاج و تربیت کے برعکس یہ باتیں سننے میں آرہی ہے کہ فلاں بزرگ تو اتنے بڑے عالم تھے، انہوں نے اپنی کتاب میں یہ روایات بیان کی ہیں، یا عرصۂ دراز سے اہل حدیث ان پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں یا ہم شیخ البانی رحمہ اللہ کے یا فلاں محقق کے مقلد تھوڑے ہی ہیں!

یہ کہنے والے اگرچہ تعداد میں نہایت تھوڑے ہیں لیکن ہم ان سے یہ گزارش کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کی مذکورہ باتیں یکسر سطحی بھی ہیں اور اُس مسلکِ محدثین سے انحراف بھی، جس کے حامل اور علمبرادر اہلِ حدیث ہیں۔ علاوہ ازیں ان کی باتیں اس مقلدانہ ذہن کی غماز ہیں، جس کے خلاف اہل حدیث نے بھرپور جہاد کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جن بزرگوں نے وہ روایات اپنی بعض تالیفات میں درج کی ہیں، تو انہوں نے تحقیق کے بغیر درج کر دی ہیں، ان کی تحقیق کی طرف انہوں نے توجہ نہیں دی۔ اس لیے وہ تو یقیناً معذور ہیں اور جو حضرات ان پر عمل کرتے آئے ہیں وہ بھی مأجور ہی ہوں گے، اس لیے کہ ان کی نیت حدیث پر عمل کرنے کی تھی اور وہ ان شاء اللہ ، اللہ تعالیٰ کے ہاں عامل بالحدیث ہی شمار ہوں گے۔ لیکن اب یا کسی وقت بھی ان کا ضعف ثابت ہو گیا، تو پھر ایسی احادیث پر عمل کا کوئی جواز نہیں ہو گا۔ ضعف ثابت ہونے کے بعد ان پر محض اِس لیے عمل کرنا کہ فلاں بزرگ یہ لکھ گئے ہیں، یا فلاں بڑے عالم نے اسے اپنی کتاب میں درج کیا ہے، یا ان پر عمل کرتے ہوئے ہماری عمریں گزر گئی ہیں۔ یہ سب باتیں محدثین کے منہج کے خلاف ہیں، اہلِ حدیث کے مزاج و تربیتِ صحیح کے خلاف ہیں اور اسی تقلیدی ذہنیت کا مظاہرہ ہے جس کو اہل حدیث بجا طور پر حرام قرار دیتے ہیں۔

باقی رہی بات شیخ البانی رحمہ اللہ یا کسی اور محقق کی۔ تو ان کی کسی تحقیق کی روشنی میں کسی سابقہ بڑے عالم اور بزرگ کی بات کو یا ان کی درج کردہ ضعیف حدیث کو چھوڑ دینا، یہ شیخ البانی یا کسی اور کی بات اس لئے نہیں مان لی جاتی ہے کہ وہ کوئی مامور من اللہ ہیں یا ان کو مامور من اللہ باور کر لیا گیا ہے، بلکہ ان کی بات صرف اس لئے مانی جاتی ہے کہ انہوں نے محدثانہ اصول ہی کی روشنی میں احادیث کی تحقیق کی ہے، اسی لئے جہاں ان سے غلطی ہوئی ہے یا ان کی کسی فکر میں منہجِ محدثین سے

انحراف ہے، وہاں ان کی باتیں بھی مردود ہیں اور اس کی کئی مثالیں موجود ہیں جن سے اہلحدیث نے شدید اختلاف کیا ہے۔ لیکن ان کی بعض غلطیوں یا ان سے اختلافات کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی جلیل القدر خدماتِ حدیث کو اہمیت نہ دی جائے یا ان کی خدمات و تحقیقات سے استفادہ کرنے والوں کو ان کا مقلد قرار دے دیا جائے۔

یہ تو بالکل وہی بات ہے جو بعض جاہل قسم کے لوگ اہلِ حدیثوں کی بابت کہتے ہیں کہ ہم فلاں کے مقلد ہیں، تو تم بھی تو امام بخاری وغیرہ کے مقلد ہو۔ ہم فلاں فقہ کی پابندی کرتے ہیں، تو تم بھی تو صحیح بخاری وغیرہ کی پابندی کرتے ہو۔ کیا ان کی بات صحیح ہے؟ یہ الزام درست ہے؟ نہیں، یقیناً نہیں، اس لئے کہ ہم امام بخاری کے مقلد تھوڑے ہی ہیں، وہ تو نبی ﷺ کی احادیث ہم تک پہنچانے والے ہیں۔ ہم نے تو صرف ان کی امانت و دیانت اور تحقیق پر اعتماد کیا ہے۔ بات تو ہم نے اللہ کے رسول ﷺ ہی کی مانی ہے جس کی بات کے ماننے کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ اس کا تقلید سے کیا واسطہ؟ اسی طرح شیخ البانی وغیرہ محققین کی تحقیقات ہیں جن کی امانت و دیانت اور تحقیق پر اعتماد کیا جاتا ہے کیوں کہ انہوں نے بھی اس دور میں وہی کام کیا ہے جو اس سے پہلے ائمہ حدیث اور فقہائے محدثین نے کیا ہے۔ اس کا بھی تقلید سے کیا واسطہ؟

ایک اور خلط مبحث یا خلافِ حقیقت تعبیر:

بعض حضرات خلط مبحث کا ارتکاب کرکے اہل علم و تحقیق کے بعض علمی اختلافات کو بنیاد بنا کر یہ بات بھی کہہ رہے ہیں کہ بعض محقق یہ کہہ رہے ہیں، اور دوسرے حضرات اس کے برعکس یا اس سے قدرے مختلف یہ بات کہہ رہے ہیں۔ اور پھر تحقیق، یا استنباط یا فہم کے اس اختلاف کو انتشارِ فکر سے تعبیر کر رہے ہیں یا اسے بھی سابقہ علماء سے اختلاف کا نتیجہ قرار

دے رہے ہیں، حالانکہ یہ دونوں ہی باتیں غلط ہیں۔ تحقیق کا اختلاف تو ایسا اختلاف ہے جو ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اور اسے آئندہ بھی بالکلیہ ختم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ صحابہ و تابعین کے عہد میں بھی تھا، فہم حدیث اور اس سے اخذِ مسائل میں محدثین کے درمیان بھی یہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس قسم کا علمی اختلاف علمائے اہلحدیث کے درمیان بھی ہے اور رہے گا۔ اسے فکری انتشار سے تعبیر کرنا یا علمائے مرحومین سے اختلاف کا نتیجہ قرار دینا یکسر غلط اور حقائق کو مسخ کرنا ہے۔ بات کی وضاحت کے لئے چند مثالیں یہاں پیشِ خدمت ہیں۔

1۔ جیسے عاشورے (10 محرم) کے دن روزہ رکھنے کا مسئلہ ہے

نبی ﷺ یہ روزہ رکھا کرتے تھے، لیکن جب آپ کے علم میں یہ بات آئی کہ یہودی بھی عاشورے کا روزہ رکھتے ہیں، اور اس طرح ان سے موافقت یا مشابہت ہو جاتی ہے، تو آپ نے یہودیوں کی مخالفت کے نقطۂ نظر سے فرمایا:

لئن بقيت الى قابل لاصو من التاسعة

"اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو میں نویں محرم کا روزہ رکھوں گا۔" [5]

اس فرمانِ رسول کے فہم میں اختلاف ہوا، جس سے مسئلے کی نوعیت میں بھی اختلاف ہو گیا۔ علماء کے ایک گروہ نے کہا، اس کا مطلب ہے کہ میں صرف 9 محرم کا روزہ رکھوں گا، یعنی دس محرم کا روزہ نہیں، اس لئے وہ کہتے ہیں کہ اب صرف 9 محرم کا روزہ رکھنا مسنون عمل ہے۔ 10 محرم کا روزہ رکھنا بھی صحیح نہیں اور 10 محرم کے ساتھ 9 محرم کا روزہ ملا کر رکھنا بھی سنت نہیں۔ دوسرے علماء نے مذکورہ فرمانِ رسول کا مطلب یہ سمجھا کہ میں 10 محرم کے ساتھ 9 محرم کا روزہ بھی رکھوں گا کیونکہ 10 محرم کا روزہ تو آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نجات پانے کی خوشی میں رکھا تھا۔ اس اعتبار سے 10 محرم کے روزے کی مسنونیت تو مسلّم ہے، لیکن یہودیوں کی مخالفت کے لئے آپ نے اس کے ساتھ 9 محرم کا

روزہ رکھنے کی بھی خواہش کا اظہار فرمایا جس پر عمل کرنے کا موقع آپ کو نہیں ملا۔ بعض دیگر روایات سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔اسی لئے صاحبِ مرعاۃ مولانا عبید اللہ رحمانی، امام ابن القیم اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وغیرھم نے اسی مفہوم کو زیادہ صحیح اور راجح قرار دیا ہے۔(ملاحظہ ہو: مرعاۃ المفاتیح 3/270، طبع قدیم)

2۔دعائے قنوتِ وتر کا مسئلہ ہے، اس میں 3 مسئلے مختلف فیہ ہیں۔

دعائے قنوتِ وتر رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا بعد از رکوع؟۔اس میں روایات کی رو سے راجح بات قبل از رکوع کی ہے، تاہم کچھ علماء بعد از رکوع کے بھی قائل ہیں۔

دوسرا مسئلہ ہے کہ دعائے قنوتِ وتر میں ہاتھ اٹھائے جائیں یا ہاتھ اٹھائے بغیر دعا پڑھی جائے۔نبی ﷺ سے دعائے قنوتِ نازلہ میں (جو آپ نے ایک مہینہ پانچوں نمازوں میں پڑھی) ہاتھوں کا اٹھانا ثابت ہے، جو علماء دعائے قنوتِ وتر میں ہاتھ اٹھانے کے قائل ہیں، وہ دعائے قنوتِ نازلہ پر قیاس کر کے، قنوتِ وتر کیے لئے بھی ہاتھ اٹھانے کا اثبات کرتے ہیں، علاوہ ازیں بعض صحابہ کا عمل بھی اس کا مؤید ہے (جو قیام اللیل، للمروزی میں دیکھا جا سکتا ہے۔)

تیسرا مسئلہ دعائے قنوت پڑھنے کے بعد ہاتھوں کو منہ پر پھیرنے کا ہے۔عام رواج تو ہاتھوں کا منہ پر پھیرنا ہی ہے، لیکن یہ عمل کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، اس لئے علمائے محققین اس سے روکتے ہیں۔البتہ عام دعا کرنے کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا جائز ہے اور اس کی دلیل بعض صحابہ کا عمل ہے۔کسی صحیح حدیث سے اس کا بھی ثبوت مہیا نہیں ہوتا۔

اس میں ایک مسئلہ دعائے قنوت میں نستغفرک ونتوب الیک کے پڑھنے نہ پڑھنے کا بھی ہے۔یہ دعائے قنوت حصن حصین میں ان الفاظ کے ساتھ موجود

ہے، لیکن ظاہر بات ہے کہ حصن حصین حدیث کی کتاب نہیں ہے، بلکہ دعاؤں کا مجموعہ ہے اور اس میں ضعیف روایات بھی ہیں۔ جب براہِ راست کتب احادیث میں یہ الفاظ تلاش کئے گئے، تو محولہ کتب حدیث میں، یہ یہ دعائے قنوت نستغفرک ونتوب الیک کے بغیر ہے، اس لئے علمائے محققین نے کہا کہ یہ الفاظ نہ پڑھے جائیں کیونکہ یہ ثابت نہیں ہیں۔

لیکن کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ بعض بزرگوں کی کتابوں میں یہ دعا ان الفاظ کے ساتھ ہے، اس لئے اس کو اسی طرح پڑھنا چاہئے۔ اب یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ان الفاظ کا وجود تو محولہ کتبِ حدیث میں نہیں ہے، لیکن ان کے پڑھنے پر اس لئے اصرار کیا جائے کہ بعض بزرگوں نے اس دعا کو ان الفاظ کے ساتھ اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، حالانکہ ان الفاظ کی صحت پر اصرار ہے تو اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان الفاظ کو محدثانہ منہج اور اصول سے ثابت کیا جائے اور حدیث کی کسی کتاب سے ان کو نکال کر دکھایا جائے۔ جب تک ایسا نہیں کیا جائے گا، اُن حضرات کا مؤقف ہی صحیح سمجھا جائے گا جو ان الفاظ کو غیر ثابت قرار دے رہے ہیں۔

تاہم دعائے قنوت کی بابت پہلے تین مسئلوں کے اختلاف کی بنیاد چونکہ دلائل پر یا عملِ عام (رواج) پر ہے، اس لئے ان میں راجح مؤقف ان کا ہو گا جن کی دلیل زیادہ مضبوط ہو گی، بصورتِ دیگر دونوں صورتیں جائز متصور ہوں گی۔ اور عملِ عام (رواج) عدم دلیل کی وجہ سے قابلِ ترک ہو گا، جیسے دعائے قنوت کے بعد ہاتھوں کا منہ پر پھیرنا حدیث سے ثابت ہے نہ عمل صحابہ سے۔ اس لئے اس کا ترک ضروری ہو گا۔ اِلّا یہ کہ اس کو دلیل سے ثابت کر دیا جائے۔

: 3 رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کا مسئلہ ہے۔

بعض علمانے سنن نسائی کی ایک روایت کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے قومے میں (بعد از رکوع) ہاتھ باندھنے کو ضروری قرار دیا، جب کہ دوسرے علماء نے اس

استدلال سے اتفاق نہیں کیا اور اس کا مفہوم یہ بیان کیا کہ آپ جب بھی نماز کے لئے قیام فرماتے، تو ہاتھ باندھ لیتے۔ اذا قام سے مراد نماز کا اولین قیام ہے کہ جب بھی نبی ﷺ نماز پڑھنے کی نیت سے کھڑے ہوتے، تو (تکبیرِ تحریمہ کے بعد) ہاتھ باندھ لیتے، نہ کہ مطلق قیام، جس میں رکوع کے بعد کا قومہ بھی شامل ہو جائے، کیونکہ اگر نبی ﷺ نے رکوع کے بعد بھی ہاتھ باندھے ہوتے، تو صحابہ کرام آپ کی کیفیتِ نماز میں اس کو بھی ضرور بیان کرتے۔ جب صحابہ نے یہ کیفیت بیان نہیں کی تو اذا قام کے عموم سے اس کا اثبات نہیں ہو سکتا۔ کسی خاص بات کے اثبات کے لئے دلیلِ خاص کا ہونا بھی ضروری ہے، اس کے بغیر اس کا اثبات نہیں ہو سکتا۔

4: اس کی ایک اور مثال یہ ہے کہ کھانا کھانے سے قبل اور اسی طرح وضو کرنے سے قبل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پوری پڑھی جائے، یا صرف بسم اللہ کے الفاظ کا پڑھ لینا ہی کافی ہے؟

علمائے اہلِ حدیث میں سے بعض نے کہا کہ بسم اللہ پوری پڑھی جائے، اور بعض نے کہا کہ چونکہ حدیث کے الفاظ ہیں بسم اللہ (اللہ کا نام لو) تو صرف بسم اللہ ہی کے الفاظ پڑھے جائیں۔ یہ اختلاف صرف فہمِ حدیث کا اختلاف ہے۔ دونوں ہی رائیں ایسی ہیں کہ ان کی کچھ نہ کچھ بنیاد ہے، اس لئے یہاں راجح مرجوح کی بات تو ہو سکتی ہے، لیکن غلط کسی کو بھی نہیں کہا جا سکتا، مگر بعض لوگ اسے علمائے اہلِ حدیث کا باہمی تضاد اور تعارض قرار دے رہے ہیں۔

ناطقہ سر بہ گریباں ہے، اسے کیا کہیے؟

بہر حال اسی طرح فہمِ حدیث کا اختلاف یا قیاس و استنباط کا اختلاف یا حدیث کی صحت و ضعف کی وجہ سے اختلاف اور بھی بعض مسائل میں اہلِ حدیث علماء کے مابین ہے۔ یہ علمی اختلافات اس بات کی دلیل ہیں کہ

اہلِ حدیث کے ہاں کسی قسم کا تقلیدی جمود ہے نہ اکابر پرستی کا سلسلہ۔ ان کے ہاں دلیل کی بنیاد پر بحث و مذاکرہ اور نقد و تحقیق کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اور جو بات، جب بھی، دلیل کی رُو سے راجح قرار پاتی ہے، وہی ان کا مسلک بن جاتی ہے اور دوسری بات مرجوح یا متروک قرار پاتی ہے۔ اسی لئے اہلِ حدیث کے ہاں فقہ اہلِ حدیث کے نام سے کوئی متعین کتاب ایسی نہیں ہے جس کی پابندی ان کے ہاں ضروری سمجھی جاتی ہو۔ وہ ہر مسئلے میں احادیثِ صحیحہ اور فقہ الحدیث پر
مرتب کتابوں سے براہِ راست استفادہ کرتے ہیں اور جو بات سمجھ میں آتی ہے، اسی پر وہ عمل کرتے ہیں اور اپنے عوام کو بھی اسی پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ایسی تحقیق کرتے وقت ان کے کوئی ذہنی تحفظات ہوتے ہیں نہ حزبی مفادات، نہ کسی کی شخصی عظمت ہوتی ہے اور نہ کسی قسم کا فقہی جمود۔ اس میں ان کے درمیان کوئی اختلاف واقع ہوتا ہے تو وہ فہم و استنباط اور تعبیر و توجیہ کا ہوتا ہے، جس میں دونوں توجیہوں اور تعبیروں پر عمل کی گنجائش ہوتی ہے، کیونکہ مقصد دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات پر عمل کرنا ہے، نہ کہ ان کو نظر انداز کر کے کسی تیسرے شخص کے قول اور رائے پر، بنابریں اس علمی اختلاف کو تضاد و تعارض کہنا صحیح ہے نہ اسے فکری انتشار سے تعبیر کرنا ہی درست ہے۔

[2] لیکن محض ظن کی بنیاد پر اس کی صحت میں شک نہیں کیا جا سکتا بلکہ اسے صحیح ہی تصور کیا جائے گا اور اس پر عمل کیا جائے گا تاوقتیکہ اس کا ضعف واضح ہو جائے۔

[3] لیکن اس امکان کے پیش نظر کہ ممکن ہے وہ صحیح ہو اس پر عمل درست نہیں ہے، تاوقتیکہ اس کی صحت کی دلیل مل جائے، اس لئے صحت
حدیث ہونے کے بعد وہ صحت قطعی ہی ہو گی تاوقتیکہ ضعف کی دلیل مل جائے اسی طرح وہ ضعف بھی قطعی ہی ہو گا تاوقتیکہ اس کی صحت واضح ہو جائے۔

[4]ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت

[5] صحیح مسلم: الصیام باب ای یوم یصام فی عاشوراء

(11) مدینہ طیبہ ومسجد نبوی ﷺ کے فضائل واحکام فضائل مدینہ طیبہ!

احادیث میں مدینہ طیبہ کی بڑی فضیلت مذکور ہے، یہاں کچھ احادیث لکھی جاتی ہیں۔(1) امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن اور یہ صحیفہ لکھا جس میں مذکور ہے کہ مدینہ دوپہاڑوں عیر سے ثور تک حرم ہے۔ پس جس نے بھی اس میں بدعت یا کسی اور برے عمل کا ارتکاب کیا یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اس کی کوئی فرضی یا نفلی عبادت قبول نہیں کی جائے گی۔]1[

(2) سیدنا سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں مدینہ کو دو پتھریلی زمینوں کے درمیان حرم قرار دیتا ہوں اسکی حدود میں نہ درخت کاٹا جائے نہ شکار کیا جائے اگر لوگ جان جائیں تو مدینہ میں رہنا ان کیلئے بہتر ہے، اور جو مدینہ سے بے رغبتی اختیار کر کے منہ موڑتا ہے اور مدینہ چھوڑتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے بدلے اس سے بہتر آدمی لائے گا اور جو اسکی مصیبتوں اور تکالیف پر صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ رہتا ہے تو میں اس کیلئے سفارش کرنے والا اور گواہ ہوں۔]2[

(3) سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظمہ کو حرم قرار دیا اور میں مدینہ کو دو پہاڑوں کے درمیان حرم قرار دیتا ہوں اس میں نہ خون بہایا جائے نہ لڑائی کیلئے اسلحہ اٹھایا جائے اور نہ درخت کاٹا جائے مگر گھاس اور چارہ کاٹنے کی اجازت ہے۔]3[

(4) ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ آئے تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو بخار تھا ۔ تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی آپ ﷺ نے دعا مانگی کہ

یااللہ! ہمیں مدینے کے ساتھ مکہ جتنایااس سے بھی زیادہ پیار عطا کر اور اسکو صحت افزامقام بنادے اور ہمارے ناپ تول کے پیمانے میں برکت عطا کر اور یہاں کی بیماری کو جحفہ کی طرف منتقل کردے۔]4[

(5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے ایسی بستی میں رہنے کا حکم ہوا ہے، جو تمام گاؤں اور بستیوں پر غالب آنے والی ہے۔ لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں۔ اور وہ مدینہ ہے۔ یہ شہر لوگوں کو کفر سے اس طرح صاف کرتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کو صاف کرتی ہے۔]5[

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مدینہ کو طابہ (پاک اور بہتر) کا نام دیا ہے۔]6[

(7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ کی گلیوں پر فرشتے ایستادہ ہیں تا کہ اس میں طاعون اور دجال داخل نہ ہو سکیں۔]7[

(8) سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اہل مدینہ کیلئے بری سوچ سوچے گا تو وہ ایسے گل سڑ کر تباہ ہو جائیگا جس طرح نمک پانی میں گل جاتا ہے۔]8[

(9) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سفر سے واپسی پر جب رسول اللہ ﷺ کی نظر مدینہ کی دیواروں پر پڑتی تو فرطِ جذبات سے آپ ﷺ سواری کو دوڑاتے اور اسکو تیز کر دیتے۔]9[

(10) سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ میں دجال کا خوف اور دبدبہ داخل نہیں ہو سکے گا، اس وقت مدینہ کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازے پر دو فرشتے ایستادہ ہوں گے۔]10[

(10) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی کہ یا اللہ! مدینہ میں مکہ معظمہ سے دگنی برکت نازل فرما۔ [11]

مسجد نبوی ﷺ کی فضیلت:

(1) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری مسجد (نبوی ﷺ) کی ایک نماز بیت اللہ کے علاوہ دوسری تمام مسجدوں کی ایک ہزار نمازوں سے (اجر) میں زیادہ ہے [12]

(2) سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام میں سے دو آدمیوں کا اس مسجد کے بارے میں اختلاف ہو گیا جس کا ذکر قرآن میں ہے کہ! "اسکی بنیاد تقویٰ اور پرہیزگاری پر ہے"۔ (سورہ توبہ) ایک نے کہا اس سے مراد مسجد نبوی ہے، اور دوسرے نے کہا کہ مسجد قبا پھر ان دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اس سے مراد مسجد نبوی ہے۔

مسجد قبا میں بھی بہت سی بھلائیاں ہیں۔

مدینہ طیبہ کی طرف مسجد نبوی ﷺ کی زیارت کی نیت سے جانا چاہیے:

(1) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین مساجد کے علاوہ کسی اور طرف زیارت کی غرض سے نہیں جانا چاہیے۔

– 1 مسجد حرام 2- مسجد اقصیٰ 3- میری مسجد (نبوی ﷺ) [13]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں بصرہ بن ابی بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ سے ملا انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ کہاں سے آرہے ہو؟ میں نے کہا کہ طور پہاڑ سے آرہا ہوں! کہنے لگے کہ آپ کے وہاں جانے سے پہلے اگر آپ کی مجھ سے ملاقات ہو جاتی تو شاید آپ وہاں نہ جاتے میں نے رسول اللہ ﷺ سے

سنا آپ ﷺ فرمارہے تھے: تین مقامات کے علاوہ کسی اور مقام کی زیارت کیلئے سواریوں کو نہ دوڑایا جائے۔(سفر نہ کیا جائے)

1 مسجد حرام (کعبہ) 2 میری مسجد (نبوی ﷺ) 3 ایلیاء (بیت المقدس)]14[

قارئین کرام! ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ قبروں، مزارات اور آستانوں کی زیارت کا قصد کرنا اور سفر کرکے وہاں جانا جائز نہیں ہے۔ یہ صرف ان تین مقامات تک محدود و مخصوص ہے لیکن علم حاصل کرنے کیلئے سفر کرنا، اسی طرح صالح بندوں، مسلمان بھائیوں اور دیندار دوستوں کی زیارت کرنے اور ان کے ساتھ ملاقات کرنے کی ترغیب احادیث میں وارد ہے۔ لہذا یہ دونوں زیارتیں اور ملاقاتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

مسجد میں داخل ہونے کے آداب

1 سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھا کرو۔{]15[

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ

"یا اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے"۔

اور نکلتے وقت یہ دعا پڑھا کرو۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِكَ

"یا اللہ! میں تجھ سے تیری بھلائی کا سوال کرتا ہوں"۔

بِسْمِ اللهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ

"اللہ کے نام کے ساتھ اور سلام ہو اللہ کے رسول (ﷺ) پر یا اللہ! میرے گناہوں کو معاف فرمادے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔"

اور جب نکلتے تھے تو یہ کلمات کہتے تھے۔

بِسْمِ اللهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ

" اللہ کے نام کے ساتھ اور سلام ہو اللہ کے رسول (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم) پر یا اللہ میرے گناہوں کو معاف فرمادے اور میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔" [16]

2 ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: (مسجد سے نکلتے وقت) جب تم میں سے کوئی مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ اِبْلِیْسَ وَ جُنُوْدِہٖ

" یا اللہ میں ابلیس اور اس کے لشکر سے تیری پناہ چاہتا ہوں"۔ [17]

3 سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھے۔ [18]

لہٰذا زیارت کرنے والے کو بھی مسجد نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے دو رکعتیں تحیۃ المسجد پڑھنی چاہئیں۔

بہشتی باغ

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مابین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ ومنبری علی حوضی

' سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم) نے فرمایا میرے گھر اور میرے ممبر کے درمیان کا حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا ممبر حوض کے اوپر ہے۔" [19]

تشریح: اس حدیث سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حصے کی خاص فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا جتنا وقت ملے تو اس حصے میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر، قرآن کی تلاوت اور نفلی عبادت کرنی چاہئے مگر یہاں اکثر رش ہوتا ہے اس لیے عوام الناس کو تنگ کر کے اپنے آپ کو تکلیف دیکر اور دھکے کھا کر اس طرح کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس طرح ثواب و اجر کے بدلے گناہ کا خطرہ ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پوری مسجد عبادت اور تلاوت کیلئے بہتر ہے ۔اس حدیث سے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی ظاہر ہوتی ہے، اس لیے کہ یہ دونوں ایسی جگہ پر مدفون ہیں جس کے بارے میں رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے

فرمایا ہے کہ یہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔ یہ حدیث شیعہ کی مشہور و معروف کتاب "الفروع الکافی" میں بروایت امام جعفر صادق مروی ہے۔ جبکہ فروع الکافی کا مصنف ان کا ثقہ الاسلام ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی رازی ہے۔ لہٰذا شیعہ حضرات کو بھی ان کے ایمان، تقویٰ اور ولایت میں شک نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ ان کا ایمان اور اعلیٰ مرتبہ ایسی حدیث سے ثابت ہوتا ہے جو سنی ہوں خواہ شیعہ ہوں دونوں کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

مسجد نبوی ﷺ میں چالیس نمازیں

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میری مسجد میں مسلسل چالیس نمازیں پڑھیں اور اس سے ان کے درمیان کوئی نماز فوت بھی نہیں ہوئی تو اس کیلئے جہنم کی آگ، عذاب اور نفاق سے براءت لکھی جائی گی۔] 20[

قارئین! یہ ایک فضیلت اور بھلائی ہے ہر مسلمان کو اسے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے لیکن یہ عمل نہ تو فرض ہے اور نہ حج کے احکامات میں سے ہے۔ بعض لوگ اس عمل کے رہ جانے پر حسرت کرتے ہیں یا حج میں شک کرتے ہیں تو یہ محض نادانی ہے، لہٰذا اگر کبھی وقت سفر قریب آجائے اور آدمی یہ چالیس نمازیں پوری نہ کر سکے تو اسے تنگ دلی کا شکار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس سے حج اور زیارت میں کوئی فرق نہیں آتا، البتہ اگر بغیر تکلیف و پریشانی کے اس فضیلت کے حصول کا موقعہ میسر آجائے تو اس بھلائی سے دریغ نہیں کرنی چاہیے۔

قبر مبارک کی طرف جانا

تحیۃ المسجد ادا کرنے کے بعد قبر نبوی ﷺ کی طرف زیارت کیلئے جانا چاہیے اور اسی طرح سلام کرنا چاہیے جیسے قبرستان میں کہنے کا حکم ہے۔ اس بارے میں دو حدیثیں درج ذیل ہیں۔

(1) سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کو قبرستان جاتے وقت کی یہ دعا سکھاتے تھے۔]21[

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ نَسْأَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ

سلامتی ہو تم پر اے مؤمن اور مسلمان گھر والو ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ضرور ملنے والے ہیں اور ہم اپنے اور تمہارے لیئے اللہ سے خیر و عافیت مانگتے ہیں"۔

(1) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ کے قبرستان کے پاس سے گزرے تو ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا(یعنی دعا مانگی)۔] 22[

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ

"اے اہل قبور! تم پر سلامتی ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں بخشے تم ہم سے پہلے جانے والے ہو اور ہم بعد میں آنے والے ہیں۔"

ان دونوں سلاموں میں سے جو سلام بھی پڑھے کافی ہے، اور اگر دونوں سلام پڑھے تب بھی صحیح ہے۔

فصل: بار بار قبر مبارک پر جانا مسنون نہیں ہے، بلکہ پوری مسجد میں جس جگہ بھی درود اور صلوٰۃ زیادہ سے زیادہ پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور نہ میری قبر کو عید (بار بار آنے والی جگہ) بناؤ اور مجھ پر درود پڑھو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچے گا، تم جہاں بھی ہو۔]23[

سیدنا علی بن حسین یعنی زین العابدین سے روایت ہے کہ انہوں نے کسی آدمی کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس ایک کھڑکی سے داخل ہو کر دعا مانگا کرتا تھا۔ سیدنا زین العابدین نے اسے منع کیا اور کہا کہ میں تمہیں وہ حدیث نہ سناؤں جو میں نے اپنے والد سے سنی اور انہوں نے میرے دادا (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) سے سنی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میری قبر کو عید نہ بناؤ اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان بناؤ مجھ پر درود و سلام پڑھتے رہا کرو۔ کیونکہ تمہارا سلام مجھے پہنچتا ہے چاہے تم کہیں بھی ہو۔ [24]

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ بار بار قبر مبارک پر جانا اور دعا سلام پڑھنا مسنون طریقے کے خلاف ہے اور اسی معنی کی ایک حدیث سنن سعید بن منصور میں حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے مروی ہے۔ اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ:

ما انتم ومن بالاندلس الاسواء

بار بار آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر تم یہاں درود پڑھو یا کہ شہر اندلس میں پڑھو دونوں برابر ہیں۔ [25]

لہٰذا ایک دفعہ جانا ہی کافی ہے باقی عورتوں کو تو قبر مبارک پر ہرگز نہیں جانا چاہیے کیونکہ عورت کے قبر پر جانے پر رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ اور لعنت فرمائی ہے۔ [26]

مسجد قبا کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ ہر ہفتے کے دن کبھی پیدل تو کبھی سوار مسجد قبا آتے تھے اور اس میں دو رکعات ادا فرماتے تھے۔ [27]

مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد وہاں کی مساجد کی زیارت کرنے سے کوئی ممانعت نہیں اسی طرح احد پہاڑ کی زیارت بھی کی جا سکتی ہے۔ اس کے حوالہ سے صحیح

بخاری میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔[28]

اسی طرح شہدائے احد اور بقیع الغرقد کے قبرستانوں کی زیارت کرنا، وہاں سے نصیحت حاصل کرنا اور ان کے حق میں دعا کرنا بھی جائز ہے مگر مدینہ کے باہر سے خاص ان کی زیارت کا قصد کر کے جانا اور ان کے لیئے سفر کرنا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح شہدائے احد اور بقیع الغرقد کے قبرستانوں کی زیارت کرنا، وہاں سے نصیحت حاصل کرنا اور ان کے حق میں دعا کرنا بھی جائز ہے مگر مدینہ کے باہر سے خاص ان کی زیارت کا قصد کر کے جانا اور ان کے لیئے سفر کرنا جائز نہیں ہے۔

الغرض یہاں جتنا بھی وقت ملے وہ عبادت، نیکی، تلاوت اور نماز و درود و سلام میں گزارنا چاہیے۔ کچھ لوگ وہاں سے روضہ کی دیوار کے گرے ہوئے ٹکڑے ساتھ لے آتے ہیں اور مٹی کے بنے ہوئے ٹکڑے جن پر نقش بنا ہوتا ہے ان کو خاک شفا کہتے ہیں یہ سب کام ناجائز اور شرکیہ کاموں میں داخل ہیں جن کا اسلام میں کوئی ثبوت نہیں۔

وللہ الحمد حمدا کثیرا طیباً مبارکا فیہ مبارکا علیہ کما یحب ربنا و یرضی

---

[1] بخاری:1870۔ فضائل المدینۃ۔ باب حرم المدینۃ، مسلم:1370 الحج۔ باب۔ فضل المدینۃ

[2] بخاری:1870۔ فضائل المدینۃ۔ باب حرم المدینۃ، مسلم:1370 الحج۔ باب۔ فضل المدینۃ

[3] بخاری:1870۔ فضائل المدینۃ۔ باب حرم المدینۃ، مسلم:1370 الحج۔ باب۔ فضل المدینۃ

[4]بخاری:1870۔فضائل المدینۃ۔باب حرم المدینۃ، مسلم:1370الحج۔
باب۔ فضل المدینۃ

[5]بخاری:1870۔فضائل المدینۃ۔باب حرم المدینۃ، مسلم:1370الحج۔
باب۔ فضل المدینۃ

[6]بخاری:1870۔فضائل المدینۃ۔باب حرم المدینۃ، مسلم:1370الحج۔
باب۔ فضل المدینۃ

[7]بخاری:1870۔فضائل المدینۃ۔باب حرم المدینۃ، مسلم:1370الحج۔
باب۔ فضل المدینۃ

[8]بخاری:1870۔فضائل المدینۃ۔باب حرم المدینۃ، مسلم:1370الحج۔
باب۔ فضل المدینۃ

[9]بخاری:1870۔فضائل المدینۃ۔باب حرم المدینۃ، مسلم:1370الحج۔
باب۔ فضل المدینۃ

[10]بخاری:1889فضائل المدینۃ، مسلم:1376الحج باب الترغیب فی سکنیٰ
المدینۃ الخ

[11][11]بخاری:1870۔فضائل المدینۃ۔باب حرم المدینۃ،
مسلم:1370الحج۔باب۔ فضل المدینۃ

[12]بخاری:1870۔فضائل المدینۃ۔باب حرم المدینۃ، مسلم:1370الحج۔
باب۔ فضل المدینۃ

[13]بخاری:1189ایضاً ومسلم:827

[14]مؤطامالک ص38،نسائی1/145

[15]مسلم، مشکوٰۃ ص28

[16]ابن ماجہ:771اور ترمذی:314الصلاۃ باب ماجاء مایقول عند دخولہ المسجد

[17]بن سنی، حدیث:154

[18]بخاری:714صلاۃ المسافرین باب استحباب تحیۃ المسجد برکعتین مسلم ،مشکوٰۃ ص28

[19]بخاری1196فضل الصلاۃ مکۃ ومدینۃ، مسلم:1391

[20]رواہ احمد:3/155والطبرانی فی الاوسط ورجالہ ثقات کما فی مجمع الزوائد4/8

[21]مسلم:974۔الجنائزباب مایقال عند دخول القبور...الخ

[22]مسلم:974۔الجنائزباب مایقال عند دخول القبور...الخ

[23]رواہ ابوداؤباسناد حسن،رواتہ ثقات کذافی کتاب التوحید للشیخ محمد بن عبد الوھاب ص:56-257مع شرحہ فتح المجید

[24]الاحادیث المختارۃ:395

[25]فتح المجید ص258

[26]جامع ترمذی:294

[27]بخاری:1194، مسلم:1399)مشکوٰۃ ص68

[28]صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب احد یحبنا۔۔۔:3800

(12) امام مہدی حقیقت کیاہے؟

فسانہ کیاہے

الشیخ خلیق الرحمٰن قدر حفظہ اللہ

امام مہدی کے ظہور کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا چودہ سو سالہ یہ نظریہ ہے کہ آپ آخری دور میں مکہ مکرمہ میں ظہور پذیر ہوں گے مسلمانوں کی قیادت کریں گے، امت مسلمہ میں خلافت قائم کریں گے۔ اللہ کی زمین پر عدل وانصاف پر مبنی حقیقی شریعت نافذ کریں گے۔ جس کے نتیجے میں امن و آشتی اور سکون سے انسانیت کو واسطہ پڑے گا۔ الغرض خلافت راشدہ کی بھولی بسری یادیں تازہ ہوجائیں گی۔

البتہ یہ ذہن نشین رہے کہ حقیقی امام مہدی کی آمد سے پہلے بہت سے لوگ مہدی ہونے کا دعوی کریں گے، زیر نظر مضمون میں ایسے جھوٹے اور دنیا پرست لوگوں کا پردہ چاک کیا جائے گا۔ اوران شاءاللہ صحیح احادیث کی روشنی میں بے دین طبقوں کی فریب کاریوں، حکومت ودولت کے طلب گار علمائے سوء کی دھوکے بازیوں کی بھی وضاحت کی جائے گی، نیز ساتھ حقیقی امام مہدی کے بارے میں اہل السنۃ کا کیا نظریہ اسے ہے؟ اسے بھی تفصیلاً تحریر کیا جائے گا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاتذهب الدنيا حتى يملك العرب رجل من أهل بيتي يواطئ اسمه اسمي واسم أبيه اسم أبي يملأ الأرض قسطا وعدلا كما ملئت ظلما وجورا

''دنیا کا اختتام نہیں ہوگا حتی کہ عرب کا امیر ایک شخص ہوگا جو میرے اہل بیت سے ہوگا اس کا نام میرے نام جیسا اور اس کے والد کا نام میرے والد جیسا ہوگا وہ

زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جیسا کہ ان سے پہلے ظلم وزیادتی سے بھری ہوگی۔]2[

اس حدیث سے اور آئندہ چند احادیث سے معلوم ہوجائے گا کہ امام مہدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں عقائد و نظریات بڑے ہی نازک ہیں اور علمی اخلاص سے ہی ان کا کوئی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے۔ امت میں سادہ لوح نوجوانوں کو کس طرح گمراہ کیا گیا اور آئندہ فتنے سے مزید کتنے افراد خطرناک غلطیوں اور دھوکے کا شکار ہوسکتے ہیں اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جاسکتا ہے۔

اہل تکفیر کی کارستانیاں:

یہ 22 نومبر 1979ء کی نماز فجر کا وقت تھا، بیت اللہ میں طواف کرنے والے نماز کی ادائیگی کے منتظر تھے عمرہ کرنے اور زیارت کرنے والے بارگاہ الٰہی میں دعاؤں مناجات میں مصروف تھے۔ اس وقت کے امام محمد بن عبد اللہ السبیل رحمہ اللہ آگے آئے نماز فجر کی امامت کرائی۔ سلام کے بعد اچانک کچھ لوگ آگے آئے اور امام کعبہ امام السبیل کے ہاتھوں سے مائک چھین لیا۔ ایک شخص جو چہرے مہرے سے متقی پرہیز گار اور عالم فاضل معلوم ہوتا تھا آگے آیا اور تقریر شروع کر دی۔ ”لوگو جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں قیامت کی نشانیاں پوری ہوچکی ہیں۔ زنا عام ہے گانے ہر گھر میں پھیل چکے ہیں۔ ناانصافی اور ظلم وزیادتی پر مبنی طرز حکومت نے زندگی اجیرن کر رکھی ہے، اب لوگ کسی نجات دہندہ کی تلاش میں ہیں۔“ اتنے میں ایک شخص جو اس فتنہ پرور گروہ کا لیڈر تھا۔ اس کا نام جہیمان العتیبی معلوم ہوا۔ اس نے اعلان کیا کہ ”یہ عالم دین جو وعظ ونصیحت کر رہے تھے، یہ امام مہدی ہی۔ ان کا نام محمد بن عبد اللہ ہے یہ مدینہ سے مکہ آئے ہیں اور حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑے ہیں

۔رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ تمام پیش گوئیاں سچ ہو چکی ہیں، لہٰذا میں تو امام مہدی کے ہاتھ پر بیعت کر رہا ہوں، تم سب بھی بیعت کرو۔"۔

قارئین کرام! اس واقعے پر جس قدر حیرانی آپ کو ہو رہی ہو گی اس سے کہیں زیادہ ششدر وہاں کے نمازی حضرات تھے جو ہکا بکا ہو کر ساری کارروائی دیکھ رہے تھے۔ جہیمان العتیبی نے بڑا کاری وار کیا تھا۔ ایسے عالم کو تلاش کر کے لایا تھا جو واقعتاً (محمد بن عبد اللہ) نام کا تھا۔ مگر چونکہ جہیمان خارجی ذہنیت رکھنے والا فتنہ پرور تھا اس نے نہ صرف سادہ لوح متقی اور تہجد گزار نوجوانوں کو اس فتنے میں ڈالا بلکہ بیت اللہ اور حرم پاک کے در و دیوار کو لہولہان کر دیا۔۔۔

لٹیروں نے جنگل میں شمع جلائی ہے
مسافر سمجھے کہ منزل یہی ہے

اندھیری رات کو منزل مقصود سمجھنے والوں نے ظلم کی انتہا اس وقت کی جب مسجد حرام کے دروازوں کو اندر سے بند کر دیا گیا۔ تاریخ اسلام میں پہلی بار طواف رک گیا، اذانیں بند ہو گئیں اور باجماعت نماز کی ادائیگی اسلحے کے زور پر بند کر دی گئی، بعد ازاں تفتیش سے معلوم ہوا کہ نماز فجر میں جنازوں کی شکل میں ڈھیروں جدید اسلحہ اندر لایا گیا تھا۔ مناروں پر اسنائپر تعینات کر دیے گئے۔ باہر سے کوئی شخص یا حکومتی اہلکار قریب آتا تو فائرنگ کر کے حرم کے صحن کو رنگین کر دیا جاتا تھا۔ سعودی حکومت عوام علماء کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر اندر کیا ہو رہا ہے۔ یہ کون لوگ ہیں جو کعبہ پر قابض ہو چکے ہیں۔ آخر مطالبات سامنے آئے کہ امام مہدی ظہور پذیر ہو چکے ہیں لہٰذا وہی حکومت کے صحیح حق دار ہیں۔ شاہی فیملی کو پھانسی دی جائے حکومت ختم کی جائے اور امام مہدی کی زیر حکومت اسلامی خلافت قائم کی جائے۔ نہیں تو کعبہ پر کنٹرول حاصل ہو ہی چکا ہے۔ ہم کسی کو اندر نہ آنے دیں گے۔ امام مہدی بیت اللہ میں

پناہ گزیں ہیں۔ جو لشکر ان کو گرفتار کرنے آئے گا وہ زمین میں غرق ہو جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

بالآخر جب حکومت کا پیمانہ صبر لبریز ہوا تو علمائے کرام سے باقاعدہ فتوی لے کر فوجی ایکشن شروع کیا گیا۔ اس تصادم میں 300 افراد ہلاک ہوئے جس میں حکومتی اہلکار بھی تھے اور تکفیری نوجوان بھی۔ بعد ازاں حرم کے تہہ خانوں میں مورچہ زن افراد کو باہر نکالنے میں بڑی مشکل پیش آ رہی تھی کہ کوئی بھی زینوں سے اتر کر نیچے جاتا تو اس کو فائرنگ کر کے گرایا جاتا تھا۔۔ پھر تہہ خانے کو پانی سے بھر کر اس میں کرنٹ چھوڑا گیا تو زخمی حالت میں 70 افراد باہر آئے جن میں ان کا لیڈر جہیمان بھی تھا۔ ان افراد کو پھانسی دے دی گئی۔۔ نام نہاد امام مہدی کی لاش مل گئی تھی۔ یہ ساری کارروائی 9 دن میں پوری ہوئی۔ مسلمان حکومتیں اور عوام الناس اس ہولناک واقعے سے لرز کر رہ گئے تھے۔ اس وقت سوشل میڈیا بھی نہ تھا اور موبائل فون بھی نہیں، امام کعبہ امام ابن سبیل نمازیوں کے بھیس میں باہر آئے تو حکومت کو تکفیریوں کے دعوؤں اور کارروائیوں سے آگاہ کیا۔ امام کعبہ کے بیان کی روشنی میں فوجی ایکشن عمل میں لایا گیا۔ آج بھی یوٹیوب پر ویڈیوز موجود ہیں اور 1979ء کے اخبارات سے اس واقعے کی بعض تفصیلات مل سکتی ہیں۔

اس طویل بیانیے کا مقصد صرف اور صرف موجودہ دور کے پر خلوص نوجوانوں کو دھوکے سے بچانا ہے۔ اور واضح کرنا ہے کہ مطلب پرست علما سوء اور دہشت گردوں کے سرپرست کس طرح قرآنی آیات اور احادیث کو اپنے مطلب کے لیے استعمال کرتے ہیں تکفیریوں کی کارروائیوں سے فائدے کی بجائے الٹا نقصانِ عظیم ہوتا ہے۔ امت کے پر خلوص جان نچھاور کرنے والے افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور ان کے بعد مسلم عوام کو فتنوں کے داغ صاف کرنے میں صدیاں بیت

جاتی ہیں۔ بھلا کعبہ پر قبضہ کرنے اور طواف کو روک دینے سے بڑا جرم کیا ہوسکتا ہے ؟!۔ حرم میں ناحق خون بہانے سے کون سی خلافت قائم ہو سکتی ہے ؟ آج داعش اور تکفیری افراد کا بڑا نشانہ حرمین شریفین کی حکومت وعلما کیوں ہیں؟ آج بھی ان کا نشانہ صرف اور صرف مسلم ممالک اور ان کی بے گناہ عوام کیوں بنتے ہیں ؟!!

بھلا مساجد اور اسکولوں کے بچوں کا کیا قصور ہے کہ عالمی سیاست کا انتقام ان سے لیا جائے۔

واقعی سچ فرمایا تھا سرکار دوعالم ﷺ نے کہ:

یقتلون اھل الاسلام ویدعون اھل الاوثان

یہ لوگ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔]3[

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

لایزالون یخرجون حتیٰ یخرج آخرھم مع المسیح الدجال

یہ مسلسل نکلتے رہیں گے حتی کہ ان کے آخری ساتھی دجال کے ساتھ نکلیں گے۔]4[

(3) ایک اور روایت میں آپ ﷺ کا فرمان ہے:

یطعنون علی امرائھم ویشھدون علیھم بالضلالۃ

یہ لوگ حکومتِ وقت یا امراء کے خلاف خوب طعنہ زنی کریں گے ان پر ضلالت و گمراہی کا فتویٰ لگائیں گے۔]5[

اللہ رب العزت ہم سب کو فتنوں سے محفوظ رکھے آمین

آمدم برسر مطلب:

اب ہم اپنے موضوع کی طرف واپس لوٹتے ہیں۔ احادیث میں قیامت کی دس بڑی بڑی نشانیوں کو بیان کیا گیا ہے۔ اور (کتاب الفتن) کے موضوع پر تمام محدثین نے بے شمار چھوٹی چھوٹی علامات کو بھی بیان فرمایا ہے کہ مساجد میں زیبائش اور رنگ وروغن ہوگا۔ لوگ اونچی اونچی عمارتوں کو بنائیں گے۔ گانے

اور آلات ساز عام ہوں گے جہالت کا دور دورہ ہوگا یہ علاماتِ صغریٰ کہلاتی ہیں۔ یہ علامات قرب قیامت کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہیں گی۔ ان کی روک تھام ممکن نہیں۔ ایسا نہیں کہ اگر لوگ اونچی عمارتیں نہ بنائیں تو قیامت نہ آئے گی۔ بلکہ یہ دورانِ سفر آنے والے سنگِ میل ہیں جو ہر صورت آکر رہتے ہیں۔ ان چھوٹی اور بڑی علامات کے درمیان تعلق امام مہدی رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ ظہورِ مہدی کے سات سال بعد نزولِ عیسیٰ علیہ السلام اور آمدِ دجال کا سلسلہ شروع ہوگا اور یہ قیامت کی بڑی علامات ہیں۔

مہدی نام ونسب:

واضح رہے کہ سنن ابی داؤد کی روایت کے مطابق محمد بن عبد اللہ ہوگا مہدی (ہدایت یافتہ) لقب ہوگا جیسا کہ ابتدائی خلفائے راشدین کو بھی مہدیین یعنی ہدایت یافتہ کہا گیا ہے۔ فرمان رسول کریم ﷺ ہے:

عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين

’’میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو ‘‘ [6]

عون المعبود شرح سنن ابو داؤد میں ہے کہ: ’’امام مہدی اولاد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دو بیٹے تھے سیدنا حسن اور حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حق دار ہونے کے باوجود حکمت و دانائی سے کام لیتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور مسلمانوں کے درمیان ہو رہی جنگ کا خاتمہ فرمایا تھا۔ شاید اسی قربانی کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ ان کی اولاد سے آخری دور میں ایک عظیم خلیفہ پیدا فرمائے گا۔ اس بات کی گواہی اس حدیث سے بھی مل جاتی ہے کہ:

عن ام سلمة قالت سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: ’’المهدی من عترتی من ولد فاطمة‘‘

''مہدی میرے خاندان سے ہوگا اور فاطمہ کی اولاد سے ہوگا۔''

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: مہدی میری اولاد سے ہوں گے۔ روشن پیشانی اور اونچی ناک والے۔ وہ روئے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جس طرح ظلم وستم سے بھری ہوئی تھی، وہ سات برس تک زمین پر برسراقتدار رہیں گے]' ' 8[

ان احادیث کا بغور جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ (1) امام مہدی قریشی النسل ہوں گے۔ (2) بنو ہاشم سے اور اولادِ حسن رضی اللہ عنہ سے ہوں گے۔ (3) جس دن پیدا ہوں گے ان کا نام محمد ہوگا، والد کا نام عبد اللہ ہوگا (4) پہلے کوئی اور نام ہو بعد میں بڑا ہو کر نام بدل لے تو اس کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہوگی۔ ملعونِ زمانہ قادیانی ایسا ہی مہدی ہونے کا دعویدار نکلا۔

ہندوستانی مہدی کی داستان:

اس کا نام غلام احمد تھا۔ قادیان میں اپنے آباءواجداد کی ریاست ودولت سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ انگریز کی محبت، دولت کا حصول، جاہ پرستی نے اس ملعون سے بے شمار خرافات کروائیں۔ اس جھوٹے بدکردار ملعون نے مسلمانوں کی حالتِ زار کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔ 1857ء کے بعد انگریز سرکار نے بہت تباہی پھیلائی۔ خاص طور پر مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا گیا۔ صادق پور، بنگال، یوپی بہار میں درختوں پر لٹکتی علمائے حق کی لاشیں مسلمانوں کی تباہی کی منہ بولتی داستانیں بن گئی تھیں۔ بے دین اور جاہل عوام کو ہزاروں کی تعداد میں جبراً عیسائی بنایا گیا۔ آج بھی پاکستان وہندوستان میں جو چرچ آباد ہیں اور عیسائی آبادیاں ہیں یہ اس دور کی یاد ہیں۔ حق بولنے والے جہاد کی بات کرنے والے علماء یا تو شہید کر دیے گئے یا کالا پانی میں جلاوطن کر دیے گئے۔

ایسے حالات میں لوگ واقعی کسی مجدد کسی مہدی یا نجات دھندہ کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ غلام احمد ملعون بڑا کایاں نکلا پہلے عیسائی مبلغوں سے اسلام کی حقانیت پر مناظرے کرتا رہا۔ پھر موقع دیکھ کر مہدی ہونے کا پرچار کرنے لگا۔ جھوٹی نبوت کا دعویدار بعد میں بنا اور ملکہ برطانیہ کی سرپرستی میں مسلمانوں کے درمیان فرقہ پرستی کی بھی داستانیں چھوڑ گیا۔ آج بھی قادیانی امت کا سب سے بڑا سرپرست یا تو برطانیہ ہے یا اسرائیل۔ الغرض اس ملعون نے جب خرافات پھیلانی شروع کیں تو مذہبی حوالہ مطلوب تھا۔ ایسے لوگوں کے نزدیک نظریہ مہدویت بڑی کارآمد چیز تھا۔ لیکن مسئلہ یہ تھا ہاشمی اور قریشی کیسے بنا جائے۔ اور دیگر قادیانی حوالہ جات کے مطابق اس نے یہ الہام گھڑ لیا "ہمارے آباء واجداد کے شجرہ نسب کے مطابق میں مغل ہوں، لیکن اللہ نے الہام میں مجھے قریشی کہا ہے، لہٰذا شجرے جھوٹے ہیں اور اللہ کا الہام سچا ہے"۔

یوں نام بدلا نسب نامہ بدلا اور مہدی ہونے کا پرچار کرنے لگا۔ پاک وہند میں گوہر شاہی فتنے کی بھی کچھ ایسی ہی حقیقت ہے۔ جھوٹوں کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ بے پیندے لوٹے کی طرح ہر وقت حالت بدلتے رہتے ہیں۔

قادیانی تلبیس کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آج تک بلکہ قیامت تک آنے والے دجال اور کذاب لوگ چند روایات کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں اور رہیں گے۔ ان شاء اللہ علمائے حق ان کا پول کھولتے رہیں گے اور احادیث رسول اللہ ﷺ کا صحیح مطلب جو منہج سلف صالحین کے عین مطابق ہو بیان کرتے رہیں گے۔

سنن ابی داؤد کی روایت کے مطابق

عن ام سلمة قالت سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: یکون اختلاف عن موت خلیفة فیخرج رجل من أهل المدینة هاربا إلی مکة فیأتیه ناس من أهل مکة فیخرجونه وهو کاره فیبایعونه بین الرکن والمقام ویبعث إلیه بعث من الشام فیخسف بهم بالبیداء

"ایک خلیفہ کی وفات پر اختلاف ہوگا۔ خاندان بنی ہاشم کا ایک شخص مدینہ سے مکہ چلا جائے گا۔ لوگ اس کو گھر سے باہر نکال لائیں گے اور حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان اس کے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ (اس کی بیعتِ خلافت) کی خبر سن کر شام سے ایک لشکر ان سے مقابلہ کے لیے روانہ ہوگا چنانچہ یہ لشکر جب بیداء میں پہنچے گا تو دھنسا دیا جائے گا۔" [9][10]

واضح رہے کہ امام مہدی کے متعلق بیان کردہ کچھ احادیث میں ضعف بھی ہے لیکن کوئی روایت موضوع درجہ کی نہیں ہے۔ مسند ابویعلیٰ کی اس روایت کو محقق حسین سلیم اسد نے حسن درجہ کی قرار دی ہے۔ لیکن اگر ضعیف روایات کو درج ذیل صحیح مسلم کی اس حدیث کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو حقیقت بالکل واضح ہو جائے گی۔

عن عبداللہ بن الزبیر ان عائشة قالت: "عبث رسول اللہ ﷺ فی منامه فقلنا یا رسول اللہ ﷺ صنعت شیئا فی منامک لم تکن تفعله فقال العجب إن ناسا من أمتي یؤمون بالبیت برجل من قریش قد لجأ بالبیت حتی إذا کانوا بالبیداء خسف بهم فقلنا یا رسول اللہ إن الطریق قد یجمع الناس قال نعم فیهم المستبصر والمجبور وابن السبیل یهلکون مهلکا واحدا ویصدرون مصادر شتی یبعثهم اللہ علی نیاتهم

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "ایک رات رسول کریم ﷺ خواب میں پریشان ہو کر اٹھے۔ ہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! آج آپ نیند میں پریشان ہوئے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بڑے تعجب کی بات ہے میری امت کے کچھ لوگ بیت اللہ کا ارادہ کر کے آئیں گے۔ قریش کا ایک آدمی بیت اللہ میں پناہ پکڑے گا حتی کہ جب (ان کو گرفتار کرنے والا) لشکر بیداء مقام پر پہنچے گا تو ان کو

زمین نگل لے گی۔ ہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ راستے پر تو لوگ جمع ہوتے ہیں فرمایا: (ہاں ان میں کچھ جان بوجھ کر لشکر میں آئیں گے کچھ مجبور ہوں گے کچھ مسافر لیکن سب کو ایک ساتھ ہلاک کر دیا جائے گا۔ سب لوگ (روز قیامت) الگ الگ حالت میں اٹھیں گے۔ ان کی نیت کے مطابق اللہ تعالیٰ ان کو اٹھائے گا[11]۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے ضمن میں بڑی خوبصورت بات بیان فرمائی کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اہل ظلم سے دور رہنا چاہیے باغیوں سرکشوں کی مجالس سے شدت کے ساتھ اجتناب کریں تاکہ عذابِ الٰہی کے خطرے سے محفوظ رہ سکیں۔

قارئین! آپ امام مہدی سے متعلق جان چکے ہیں اور حقیقتِ مہدی سے آشکار ہو چکے ہوں گے کہ (1) امام مہدی مدینہ سے مکہ آئیں گے (2) ان کی آمد سے پہلے فتنے اور قتل و غارت گری کا دور دورہ ہو گا (3) خلیفہ یا حاکم وقت کی موت کے بعد اختلافات ہوں گے اور مسلح افراد آپس میں جنگ کریں گے (4) لازماً محمد بن عبد اللہ نامی شخص کوئی معروف اثر و رسوخ والا شخص ہو گا ورنہ وہ کیوں مدینہ سے مکہ آئے گا اور لوگ صرف اسی کو کیوں زبردستی امام وقت یا خلیفہ بنائیں گے۔ (5) پہلے سے لوگ اسے مہدی کے لقب سے جانتے نہ ہوں گے۔ بعد ازاں جب عدل و انصاف والی خلافت قائم ہو گی تب عقدہ کھلے گا کہ جس کا انتظار تھا وہ آپ ہی ہیں۔ (6) اس وقت کے ظالم جابر حکمران قطعاً امام مہدی کے حق میں نہ ہوں گے۔ ان کو گرفتار کرنے کے لیے لشکر بھیجیں گے صحیح مسلم کی حدیث کے مطابق یہ لشکر عذابِ الٰہی کا شکار ہو گا تو ساری دنیا کے نزدیک حقیقتِ مہدی واضح ہو جائے گی۔ اس کے بعد کیا ہو گا؟ اس کے لیے سب سے اہم روایت یہ ہے:

عن ابی هریرۃ مرفوعا: تخرج من خراسان رایات سود لا یردھا شیء حتی تنصب بایلیاء

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے: "جب کالے جھنڈے مشرق سے نکلیں گے تو کوئی چیز ان کو روک نہیں سکے گی۔ حتی کہ وہ ایلیاء (بیت المقدس) میں نصب کریں گے]' ' 12[

اسی طرح فرمان نبوی ﷺ ہے:

اذا رائیتم الرایات السود قد جاءت من قبل خراسان فائتوھا فان فیھا خلیفۃ اللہ المھدی

' 'جب تم دیکھو کہ کالے جھنڈے آ گئے ہیں خراسان سے تو تم اس میں ضرور شامل ہو جانا کیونکہ ان میں اللہ کے خلیفہ مہدی ہوں گے۔]"13[

سنن ابو داؤ کے مطابق

یملک سبع سنین

' 'امام مہدی کی خلافت مسلسل سات سال جاری رہے گی"۔]14[

یہ سال سب سے بہترین امن و سکون اور عدل و انصاف والے ہوں گے۔ بیت المقدس فتح ہو گا۔ ساری دنیا پر خلافت قائم ہو گی۔ ان روایات کی استنادی حیثیت کمزور ہے لیکن علمائے اہل سنت کا چودہ سو سالہ عقیدہ یہی رہا ہے کہ مہدی آخری زمانے میں تشریف لائیں گے۔ کفار سے جہاد کر کے روئے زمین پر خلافت اسلامیہ قائم کریں گے جو نبوت کے طریقہ پر ہو گی۔ دراصل مہدویت کوئی دعوے کرنے جماعت بنانے کی چیز نہیں بلکہ کچھ کر کے دکھانے کا نام ہے۔ جب خلافت قائم ہو گی انصاف ہو گا، اسلامی حکومت کے فوائد دنیا کو نظر آئیں گے تو مہدی رضی اللہ عنہ خود بخود تسلیم کر لیے جائیں گے۔

مشہور مفسر و محدث امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ "یعنی امام مہدی کا ظہور غلبہ مشرق سے ہو گا۔ یہ عقیدہ غلط ہے کہ سامراء کی غار سے نکلیں گے جیسا کہ جاہل روافض گمان کیے بیٹھے ہیں۔ یہ آخری زمانے میں ان کے

نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ ان کی مایوسی کا ثبوت ہے۔ اہل مشرق ان کی تائید کریں گے ۔ان کی خلافت قائم کریں گے۔ اہل مشرق کے جھنڈے بھی کالے ہوں گے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا جھنڈا بھی کالا تھا۔ جس کو "العقاب" کہا جاتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ مہدی کا اصلی خروج یا غلبہ مشرق سے ہوگا اور ان کی بیعت بیت اللہ میں لی جائے گی۔ جیسا کہ احادیث اس بات پر گواہ ہیں [15]۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بڑے واضح انداز میں امام مہدی کے بارے میں غلط فکری اور کج فہمی کا توڑ بھی فرمایا ہے کہ روافض اپنے آخری مزعومہ امام محمد بن حسن عسکری کو (مہدی آخر الزماں) کے نام سے پکارتے ہیں۔ بھلا گزشتہ گیارہ صدیوں سے سامراء کی غار میں کوئی کیونکر زندہ رہ سکتا ہے۔ اور ہر سال محرم کے مہینے میں لاکھوں لوگوں کا سامراء کی غار کے قریب جمع ہو کر (ادر کنی امام الدھر) پکارنا انتہائی ہذیانی کیفیت کا واضح ثبوت ہے۔

آخری دور میں جب امام مہدی سات برس خلافت قائم کر چکے ہوں گے اور بلاد شام میں قسطنطنیہ کی جنگ میں شریک ہوں گے اس کا احوال صحیح مسلم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

عن ابی ھریرۃ ان النبی ﷺ قال: "سمعتم بمدینۃ جانب منھا فی البر و جانب منھا فی البحر؟ قالو انعم یا رسول اللہ قال لا تقوم الساعۃ حتی یغزوھا سبعون ألفا من بني إسحاق فإذا جاؤھا نزلوا فلم یقاتلوا بسلاح ولم یرموا بسھم قالوا لا إلہ إلا اللہ واللہ أکبر فیسقط أحد جانبیھا ثم یقولوا الثانیۃ لا إلہ إلا اللہ واللہ أکبر فیسقط جانبھا الآخر ثم یقولوا الثالثۃ لا إلہ إلا اللہ واللہ أکبر فیفرج لھم فیدخلوھا فیغنموا فبینما ھم یقتسمون المغانم إذ جاءھم الصریخ فقال إن الدجال قد خرج فیترکون کل شيء ویرجعون

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "کیا تم نے کسی شہر کے بارے میں سنا ہے جس کی ایک طرف سمندر اور دوسری طرف خشکی ہے۔ عرض کی گئی جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں

سے ستر ہزار آدمی اس شہر کے لوگوں سے جنگ نہیں کرلیتے۔ چنانچہ وہ لوگ (ستر ہزار) جنگ کے لیے شہر میں آئیں گے تو اس شہر کے باہر پڑاؤڈالیں گے ۔ یہ لوگ شہر والوں سے ہتھیاریوں کے ذریعے جنگ نہیں کریں گے۔ اور نہ ان کی طرف تیر پھینکیں گے بلکہ (لا الہ الا اللہ واللہ اکبر) کا نعرہ بلند کریں گے تو شہر کے دونوں اطراف کی دیوار میں سے ایک طرف کی دیوار گر جائے گی۔ پھر مسلمان دوسری بار (لا الہ الا اللہ واللہ اکبر) کا نعرہ بلند کریں گے تو شہر کی دوسری جانب والی دیوار بھی گر پڑے گی۔ اس کے بعد وہ لوگ تیسری بار نعرہ بلند کریں گے تو اس لشکر کے لیے شہر میں داخل ہونے کا راستہ کشادہ ہوجائے گا۔ یہ لشکر شہر میں داخل ہو کر مالِ غنیمت جمع کریں گے اور اس مالِ غنیمت کو آپس میں تقسیم کر رہے ہوں گے کہ اچانک یہ آواز آئے گی کہ دجال نکل آیا ہے۔ چنانچہ سب کچھ چھوڑ کر دجال سے لڑنے کے لیے واپس لوٹ آئیں گے۔]16[

امام مہدی کی زیر قیادت لشکر دجال کے خلاف جہاد کر رہا ہوگا۔ آپ جانتے ہوں گے کہ دجال سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں مارا جائے گا لیکن آخری جنگِ عظیم میں جہاد کرنے والے مسلمانوں کے لیڈر امام مہدی ہوں گے اور یہودیوں منافقوں کا سربراہ مسیح دجال ہوگا اس مرحلے کا ذکر صحیح مسلم میں اس طرح ہے:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ: "واللہ لینزلن ابن مریم حکماً عدلاً فلیکسرن الصلیب ولیقتلن الخنزیر ولضعن الجزیۃ ولتترکن القلاص فلایسعی علیھا ولتذھبن الشحناء والتباغض والتحاسد ولیدعون (ولیدعون) إلی المال فلایقبلہ أحد"

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مطابق فرمان نبوی ﷺ ہے کہ اللہ کی قسم! عیسی بن مریم ضرور بہ ضرور نازل ہوں گے۔ عدل کرنے والے حاکم ہوں گے آپ صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ ختم کریں گے (دولت عام ہو گی کہ)

اونٹنی کو چھوڑ دیا جائے گا اس پر کوئی سوار نہ ہو گا۔ لوگوں کے درمیان دشمنی بغض حسد ختم ہو گا۔ لوگوں کو مال کی طرف بلایا جائے گا لیکن کوئی قبول نہ کرے گا۔]17[

اسی طرح صحیح مسلم کی دوسری روایت کے مطابق:

کیف انتم اذنزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا اسوقت کیا حال ہو گا جب عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے۔ اور تمہارا امام تم میں سے ہو گا۔]18[

صحیح مسلم کی اس حدیث پر تمام شارحین محدثین یہی فرماتے آتے ہیں کہ " تمہارا امام تم میں موجود ہو ہو گا" سے مراد صرف اور صرف امام محمد بن عبد اللہ المہدی ہوں گے۔ دمشق کی مسجد میں فجر کی اذان ہو چکی ہو گی امام مہدی نماز پڑھانے کے لیے تیار ہوں گے کہ میناروں پر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔۔۔ امام مہدی ان کو نماز کی امامت کے لیے درخواست کریں گے لیکن سیدنا عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ آپ امامت کریں، پھر اس کے بعد کی صحیح روایت میں امام مہدی کا ذکر نہیں ہے کہ ان کا کیا بنا، کیونکہ اس کے بعد سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دجال کو (لد) مقام پر قتل کریں گے۔

صحیح مسلم کے مطابق

عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ "لاتزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین الی یوم القیامة قال فینزل عیسیٰ ابن مریم فیقول امیرهم تعال صل بنا فیقول لا ان بعضکم علی بعض امراء تکرمة الکل هذه الامة

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق کے ساتھ جہاد کرتی رہے گی۔ قیامت تک وہ غالب رہیں گے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو مسلمانوں کا امیر (مہدی) کہے گا آئیے ہمارے لیے نماز کی امامت کریں عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں

گے نہیں تم میں سے بعض بعض کا امیر ہے یہ اللہ تعالیٰ کی اس امت کے لیے عزت افزائی ہے۔

واقعی امت محمدیہ کی عزت جہاد میں ہے۔ جہاد قیامت تک جاری رہے گا اس امت کا آخری گروہ امام مہدی پھر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ دجال کے خلاف جہاد کرے گا۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ پھر امام مہدی کا کام ختم ہوگا۔ گویا آپ آخری جنگِ عظیم اور نزول عیسیٰ کے لیے راہ ہموار کریں گے۔ اس کے بعد آپ وفات پاجائیں گے۔ دنیا میں قیامت کی بڑی علامات تیزی سے نمودار ہونے لگیں گی۔ ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ امام مہدی رضی اللہ عنہ کے لیے کوئی ٹائم فریم مقرر نہیں ہے ان کا وقت سو سال بعد بھی ہو سکتا ہے اور ہزار سال بعد بھی۔ امام مہدی اپنے مہدی ہونے کا دعویٰ نہیں کرے گا بلکہ کچھ کر دکھانے کے بعد وہ مسلمانوں کے نزدیک مہدی کہلائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو امام مہدی کا ساتھی بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ دشمنان اسلام ہر دور میں فتنوں کی راہ ہموار کرتے اور گمراہ کن اماموں، حکمرانوں اور علمائے سوء کے ذریعے ہر وقت عوام الناس کو راہِ خدا سے بھٹکاتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حق کی توفیق عطا فرمائے، حق کا ساتھ دینے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

[2] سنن ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی المھدی، رقم الحدیث:2394، سنن ابو داؤد، کتاب المھدی 4282

[3] صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعرج الملائکۃ الخ، رقم الحدیث:7432

[4] سنن نسائی، کتاب تحریم الدم، باب من شھر سیفہ ثم وضعہ فی الناس، رقم الحدیث:4114

[5]ہیثمی مجمع الزوائد6/228۔

[6]سنن ابن ماجہ،باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین،رقم الحدیث 42:

[7]سنن ابو داؤد،کتاب المھدی،باب 1،رقم الحدیث:4284،قال الالبانی صحیح۔

[8]سنن ابی داؤد،کتاب المھدی،باب:1رقم الحدیث:4285،قال الالبانی:حسن

[9]سنن ابی داؤد کتاب المھدی،باب:1،رقم الحدیث:4286

[10]یہ روایت مسند ابو یعلیٰ6940۔ابن حبان6757۔معجم الکبیر931۔ابو داؤد کی حدیث نمبر9286پر ہے

[11]صحیح مسلم باب کتاب الفتن واشراط الساعۃ

[12]مسند احمد8775۔سنن ترمذی،کتاب الفتن،رقم الحدیث:2269 قال:الالبانی ضعیف الاسناد۔

[13]مسند احمد،رقم الحدیث:22387،5/277, کنز العمال14/264

[14]سنن ابی داؤد کتاب المھدی،رقم الحدیث:4285

[15]النھایۃ فی الفتن والملاحم1/55

[16]صحیح مسلم،کتاب الفتن واشراط الساعۃ،باب لا تقوم الساعۃ حتی یمر الرجل الخ،رقم الحدیث:2920

[17]صحیح مسلم،کتاب الایمان،باب نزول عیسی بن مریم حاکما الخ،رقم الحدیث:243

[18]صحیح مسلم،کتاب الایمان،باب نزول عیسی بن مریم حاکما الخ،رقم الحدیث:244

(13) کچھ ایسا کیجیئے کہ اللہ مسکرادے!

الشیخ عبداللہ شمیم حفظہ اللہ

ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا: میرا بھوک سے برا حال ہے، آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کے پاس پیغام بھیج کر معلوم کروایا کہ کھانے کے لیے کچھ ہے؟ جواب آیا قسم ہے آپ کو برحق رسول بنا کر بھیجنے والے کی! گھر میں پانی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے دوسری بیوی سے معلوم کروا کر بھی یہی جواب ملا، ایک ایک کرکے سب بیویوں کا یہی جواب آیا کہ پانی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا کہ آج رات کون اس آدمی کی مہمان نوازی کریگا اللہ اس پر رحم فرمائے؟ ایک انصاری صحابی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں اس کام کے لیے تیار ہوں اور اس مہمان کو لے کر گھر چلے گئے۔ بیوی سے پوچھا کہ کھانے میں کچھ ہے؟ بیوی کا جواب آیا صرف ہمارے بچوں کے لیے ہی کھانا ہے۔ صحابی نے کہا کہ بچوں کا کسی چیز سے دل بہلا کر سلا دو اور جب مہمان کھانے کے لیے آئے تو روشنی کے لیے جلے ہوئے چراغ کو ٹھیک کرنے کے بہانے بجھا دینا۔ اور ہم اس کے سامنے اس طرح ظاہر کرینگے کہ ہم بھی کھانا کھا رہے ہیں۔ جب مہمان کھانے کے لیے آیا بیوی نے چراغ کو بجھا دیا، سب کھانے کے لیے بیٹھ گئے۔ مہمان نے اندھیرے میں کھانا کھایا، میاں بیوی ایسے ظاہر کرتے رہے جیسے وہ بھی کھا رہے ہوں جبکہ وہ رات بھر خود بھوکے رہے صبح نبی ﷺ کے پاس جب پہنچے آپ ﷺ نے فرمایا کہ رات تم دونوں میاں بیوی کے اس عمل کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ مسکرا دیا۔]2[

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

الحشر-9

بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو۔

اس واقعہ کی عکاسی کرتا ہے۔

قارئین کرام! اس واقعہ میں مذکور کام ہے تو بہت سادہ اور آسان لیکن اصل اہمیت اسی کام کی ہوتی ہے جو اللہ کی خوشنودی کا سبب بنے۔ اس واقعہ کو پڑھ کر ہمیں کچھ باتیں سمجھنی چاہئیں۔

اللہ کے نزدیک عمل کی حیثیت اخلاص اور رضائے الٰہی کی امید سے ہوتی ہے ۔چاہے وہ عمل دنیا کی نظر میں معمولی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ دونوں میاں بیوی اندھیرے میں ایک ایسا کام کرتے ہیں جس کا دنیا میں کسی کو بھی علم نہیں لیکن اس عمل پر اللہ نے مسکرا کر اپنی رضامندی ظاہر کی اور اس کی اطلاع اپنے نبی کے ذریعہ پوری امت کو دی۔

مہمان نوازی ہم بھی کرتے ہیں بلکہ مہمانوں کے لیے کھانے کا اہتمام اپنی مثال آپ ہوتا ہے لیکن ذرا سوچنا چاہیے کہ کیا ہماری اس دعوت کے بعد اللہ مسکرائے گا۔

کبھی اللہ کی رضا انسان چھوٹی چھوٹی چیزوں سے حاصل کر سکتا ہے۔

جیسا کہ ایک حدیث میں یہ بھی تذکرہ ملتا ہے کہ ایک آدمی نے چلتے چلتے راستہ میں پڑے ہوئے کانٹے یا ٹہنی کو پاؤں کی ٹھوکر سے سائڈ پر کر دیا فشکر اللہ لہ وغفر لہ' اللہ نے اس بندہ کے اس عمل کی قدر کرتے ہوئے اسے معاف کر دیا۔]3[

اس واقعہ سے نبی ﷺ کی سادہ زندگی کا عجیب منظر سامنے آیا کہ آپ نے دنیا اور مال ومتاع کی فکر نہیں کی اسی لیے آپ کے گھر میں کئی کئی دن فاقے بھی ہوتے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھانجے عروہ سے فرماتی ہیں کہ کئی کئی مہینوں تک نبی ﷺ کے گھروں میں چولہا تک نہ جلتا تھا عروہ نے پوچھا پھر گزارا کیسے ہوتا تھا جواب دیا:

الأسودان التمر والماء

پانی اور کھجور پر گزارا کرتے البتہ کبھی کبھی نبی ﷺ کے انصاری پڑوسی اپنی بکریوں کا دودھ بھیج دیا کرتے تو وہ ہم پی لیتے تھے۔[4]

اس واقعہ سے یہ بھی درس ملتا ہے کہ انسان کے اندر جب تک دوسروں کا احساس ہے وہ اللہ کے ہاں بھی کامیاب ہے۔ اور دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ضرورت سے زیادہ اہمیت دے کر پورا کرنے کی کوشش کرنے سے اللہ ہماری ضرورتوں کو خود پورا کرتا ہے۔ چنانچہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

من نفس عن مؤمن كربة من كرب الدنيا نفس الله عنه كربة من كرب يوم القيامة و من يسر على معسر يسر الله عليه في الدنيا و الآخرة

ترجمہ: "جس شخص نے کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کی، اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا اور جس شخص نے کسی تنگ دست کے لیے آسانی کی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا اور آخرت میں آسانی کرے گا۔"[5]

لہٰذا انسان دنیاوی معاملات میں دوسروں کی ضروریات کو فوقیت دے جبکہ عبادت کے معاملہ میں دوسروں سے آگے نکلنے کی کوشش کرے۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ

البقرۃ–148

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نبی ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ ہی ان کی کامیابی کا راز تھا جس کی اقتدا ہم پر بھی لازمی ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ میں مذکور ہے۔ البتہ واقعہ میں بچوں کو بھوکا سلانے کے معاملے میں یہ بات یقینی ہے کہ بچوں کا پیٹ بھرا ہوا تھا اور جو کھانا ان کے لیے رکھا گیا تھا وہ بچوں کی اس عادت کو پورا کرنے کے لیے تھا جو بسا اوقات وہ طلب کرتے ہیں اس لیے کہ اگر بچوں کو بغیر کھانا کھلائے بھوکا سلایا جاتا تو یہ عمل قابل تعریف نہیں تھا کیونکہ یہ ہر باپ کی ذمہ داری میں سے ہے

اور یہ ذمہ داری مہمان نوازی پر مقدم ہے۔ اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کا ان دونوں میاں بیوی کی تعریف کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کر چکے تھے۔
بیوی بچوں کے لیے کمانا اور ان کے کھانے کا بندوبست کرنا بھی اجر کا باعث ہے آپ ﷺ نے اسے صدقہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور جو شخص اس ذمہ داری کو ادا نہیں کرتا اسے گناہ گار شمار کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:
کفی بالمرء إثما أن یضیع من یقوت
ترجمہ: "انسان اپنے زیر کفالت لوگوں کی کفالت پوری نہ کرے یہی اس کے گناہ کے لیے کافی ہے۔" [6]
لہٰذا زندگی میں کوشش کریں کسی لمحہ کیا گیا کوئی عمل اللہ کی مسکراہٹ کا سبب بن جائے اور وہ ہماری کامیابی کا باعث ہو جیسا کہ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے۔

[2] صحیح مسلم: باب إکرام الضیف وفضل إیثارہ
[3] صحیح البخاری، کتاب المظالم والغصب، باب من أخذ الغصن وما یؤذی الناس فی الطریق فرمی بہ: حدیث 2472
[4] صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی ﷺ وأصحابہ وتخلیھم من الدنیا
[5] صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر، حدیث: 2699 [6] سنن ابی داؤد، کتاب الزکوۃ، باب فی صلۃ الرحم (حدیث حسن)

قاری شیخ ندیم ایاز حفظہ اللہ تعالیٰ

15 نومبر 2021 کراچی

00923172134743 whatsapp

Peaceofmindna.com website

Peaceofmind.na facebook page

مؤلف کی مزید کتب
کا مطالعہ بھی کریں۔

مکتبہ دار الرحیل کراچی 03172134743